تحلیلِ نفسی

ایم اے راحت

تحلیلِ نفسی

ایم اے راحت

"اوہ......" تب اچانک ناصر نے اس کو پہچان لیا' وہ واقعی اس کا محسن تھا' اس کی اطلاعات پر تو وہ سب کچھ ہوا تھا' ورنہ فائزہ نہ جانے کب تک اس سے بے وفائی کرتی رہتی اور وہ اسے وفا کی پتلی سمجھ کر پوجے جاتا' لیکن یہ وقت اس محسن کو پہچاننے کا نہیں تھا' بات تین چار سال پرانی ہو گئی تھی' اب وہ کسی جھنجھٹ میں نہیں پڑنا چاہتا تھا' لہٰذا اس نے بغیر کچھ جواب دیے ٹیلی فون بند کر دیا' اس کا خیال تھا کہ ابھی فوراً ہی دوبارہ اس کا ٹیلی فون آئے گا' لیکن ایسا نہ ہوا۔۔

ایک معاشرتی کہانی ماہنامہ عمران ڈائجسٹ کے آخری صفحات کے لیے

ڈاکٹر عظمٰی دانش نے مسکراتی نظروں سے ان میاں بیوی کو دیکھا جو عمدہ لباس میں ملبوس اچھی شخصیت کے مالک نظر آتے تھے خوب صورت اور پرکشش عورت نے کہا۔

''میرا نام سائرہ ناصر ہے اور یہ میرے شوہر ناصر اقبال ہیں۔''

''تشریف رکھیے۔'' ڈاکٹر عظمٰی نے سامنے پڑی کرسیوں کی طرف اشارہ کیا اور دونوں بیٹھ گئے۔ ''جی ناصر صاحب اپنی مشکل بتایئے؟''

''میری مشکل کم از کم میری مسز نہیں ہیں۔'' ناصر نے پرمذاق لہجے میں کہا۔

''اس کا مطلب ہے کہ آپ کافی ذہین انسان ہیں اور اپنی بیگم کو خوش رکھنے کے گر جانتے ہیں۔ ان جملوں سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔'' ڈاکٹر عظمٰی نے بھی خوش مزاجی سے کہا۔ پھر سنجیدہ ہو کر بولی۔ ''پولی کلینک کے ڈاکٹر ہمدانی نے مختصراً مجھے آپ کے بارے میں بتایا ہے اب ہمیں کام کی باتیں شروع کرنی چاہئیں۔''

دونوں میاں بیوی سنبھل کر بیٹھ گئے۔

ڈاکٹر عظمٰی دانش ایک مشہور ماہر نفسیات تھی' اس کی عمر پینتیس چھتیس سال کے قریب تھی لیکن وہ انتہائی اعلیٰ شہرت کی حامل تھی۔ اس کی مہارت تو خیر اپنی جگہ تھی لیکن اس کی شخصیت بھی بے حد پرکشش تھی۔

خوب صورت موٹی آنکھیں۔ انگوری رنگت۔ اپنائیت بھری مسکراہٹ اس کی شخصیت کا حصہ تھی۔ اس نے دوبارہ اپنا سوال دہرایا۔

''جی آپ کو کیا مشکل ہے۔''

''میں اپنی آنکھوں سے بہت عاجز ہوں ڈاکٹر صاحبہ۔ ان آنکھوں نے مجھ سے زندگی کے سارے رنگ چھین کر مجھے خوف میں قید کر دیا ہے میری زندگی عذاب بنا دی ہے۔''

''کیسے آخر کچھ وضاحت کریں---؟''

''میری آنکھیں مجھے خون دکھاتی ہیں۔''

''آنکھوں میں خون اتر آنا تو سنا تھا یہ خون دکھانا کیا ہوا آخر۔''

تب سائرہ نے درمیان میں کچھ بولنا چاہا' شاید وہ ناصر کے جملوں کا مفہوم واضح کرنا چاہتی تھی لیکن ڈاکٹر عظمٰی نے اسے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا' اور ناصر سے مخاطب ہو کر بولی۔

''جی ناصر صاحب' آپ کی آنکھیں آپ کو خون کس طرح دکھاتی ہیں۔''

''ڈاکٹر ہوتا یوں ہے کہ میری نظریں بیٹھے بیٹھے کسی چیز پر جم جاتی ہیں اور اس چیز سے خون جاری ہو جاتا ہے۔''

''ذرا مثال دے کر سمجھائیں۔''

''فرض کیجئے! میں اپنے دفتر میں اپنی کرسی پر بیٹھا ہوا ہوں تو ہوگا یہ کہ کام کرتے کرتے اچانک میری نظر پین ہولڈر پر لاشعوری طور پر جم جائے گی' بس پھر چند لمحوں میں ہی پین ہولڈر سے خون بہنا شروع ہو جائے گا' میں قلم ہولڈر میں رکھوں گا تو وہ بھی تر ہو جائے گا۔ بہتے ہوئے خون کو دیکھ کر میرے جسم پر لرزہ طاری ہو جائے گا' میں خوف سے تھر تھر کانپنے لگوں گا۔ اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لوں گا' اور یوں دفتر میں تماشا بن جاؤں گا۔'' ناصر نے افسردگی سے کہا۔

''خون بہنے والا منظر کتنی دیر تک قائم رہتا ہے؟''

''جب خوف سے میری آنکھیں بند ہو جاتی ہیں اس کے بعد پھر جب میں آنکھیں کھولتا ہوں تو وہ منظر غائب ہو چکا ہوتا ہے۔''

''جب آپ یہ جانتے ہیں کہ یہ محض فریب نظر ہے' آپ کی آنکھیں آپ کو دھوکا دے رہی ہیں' پھر کانپتے' لرزتے کیوں ہیں---؟''

''یہ ٹھیک ہے کہ جب وہ منظر دکھائی دیتا ہے' تو مجھے اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں' محض فریب ہے۔ اس کے باوجود میں خوف سے کانپ اٹھتا ہوں اور اپنی

…لے میں بے اختیار ہوں۔''

''ایسا پہلی بار کب ہوا---؟''

''پہلی بار کب ہوا۔'' ناصر سوچ میں ڈوب… یہ منظر میں نے اتنے تواتر سے دیکھا ہے… اب یاد نہیں آ رہا۔''

''میں بتاتی ہوں' مجھے یاد ہے۔'' سائرہ… بولی۔

''اچھا ٹھیک ہے' آپ بتایئے.....''

''اصل میں یہ شروع ہی سے فریب نظر میں… نہیں ہیں' پہلے محض خون دیکھ کر ان پر خوف… ہو جاتا تھا' اور پہلی بار بقر عید کے موقع پر… ہوا' یہ ہمیشہ سے بکرے کو خود ذبح کرتے چلے… ہیں' لیکن پچھلی بقر عید پر جب انہوں نے… کی گردن پر چھری پھیری اور بکرے کی… سے فوارے کی طرح خون نکلا تو ان کے… پاؤں ٹھنڈے ہو گئے' آنکھوں کے آگے… چھا گیا۔ یہ چھری چھوڑ کر وہاں سے… اس بکرے کو پھر قصائی نے ذبح کیا۔''

''یہ واقعہ آپ کو یاد نہیں۔'' ڈاکٹر عظمٰی نے… سے سوال کیا۔

''جی اب یاد آ گیا ہے۔'' ناصر نے کہا۔

''…میرا یہ خیال ہے کہ خون سے خوف زدہ… کی ابتدا اس سے بھی پہلے ہوئی۔''

''وہ کیسے؟''

''ایک دفعہ شیو بناتے ہوئے بلیڈ سے… کٹ لگا' کٹ ذرا گہرا تھا' اپنے چہرے… دیکھ کر میرے ہاتھوں میں لرزش پیدا… میں نے گھبرا کر فوراً تولیے سے چہرہ…''

''تو گویا خوف کی ابتدا پہلے اصل خون… سے ہوئی اس کے بعد آپ آہستہ آہستہ… میں مبتلا ہوتے گئے' کیا میں ٹھیک کہہ…''

''جی بالکل---''

''…ان سے دیکھا نہیں… ان کی حالت خراب ہونی تھی۔ انہوں نے ایک… کے سر سے بہتا ہوا خون دیکھا تھا۔'' … نے بتایا۔

''اچھا' ایک طرف… [illegible]

''ڈاکٹر صاحبہ… [illegible]

''اچھا' … ناصر صاحب… [illegible]

ناصر نے جواب… [illegible]

[illegible]

علاوہ اسے کوئی اور ہاتھ نہیں لگا سکتا تھا۔ ایم زی نے مجھے بلا کر گاڑی کی چابی میرے حوالے کی اور کہا کہ وہ فائل جا کر لے آؤں۔ میں چابی لے کر نیچے آیا۔ وہ فائل اگلی سیٹ پر رکھی تھی' دروازہ کھول کر میں نے فائل اٹھائی' لیکن میری نظریں اسٹیرنگ پر جم گئیں' اسٹیرنگ سے خون ٹپک رہا تھا' کارپٹ پر بھی خون تھا' اور میں اس خون کو دیکھ کر خوف سے چیختا ہوا دفتر کی طرف بھاگا اور ایم زی کے کمرے میں آ کر دم لیا۔ فائل میں نے ان کے حوالے کی میری حالت دیکھ کر وہ پریشان ہو گئے۔ گھبرا کر بولے۔

''کیا ہوا ناصر صاحب.....؟''

''سر میں نے آپ کی گاڑی میں خون دیکھا ہے۔'' میں نے انہیں بتایا۔

خون کا ذکر سن کر ان کے ہوش اڑ گئے' وہ بھاگے بھاگے نیچے گئے' وہاں گاڑی میں خون ہوتا تو انہیں نظر آتا' میں اپنی بدحواسی میں گاڑی کھلی چھوڑ آیا تھا' انہوں نے گاڑی بند کی اور اوپر دفتر میں آ گئے اور بے حد خفگی سے بولے۔

''بھئی ناصر صاحب آپ کو کیا ہو گیا ہے وہاں تو کوئی خون نہیں۔''

تب میں نے انہیں اپنی آنکھوں کے بارے میں بتایا کہ یہ کس طرح مجھے دھوکا دیتی رہتی ہیں' کیسے کیسے منظر دکھا رہی ہیں' کیسے کیسے۔ ہمارے ایم زی صاحب نے ساری بات سن کر مسئلے کو بڑے آسان انداز میں لیا' ہنستے ہوئے بولے۔

''بھئی حد ہو گئی کیا فضول بات ہے۔''

اور واقعی یہ ہے بھی فضول بات' جو بھی سنتا ہے اسے میرا وہم سمجھ کر ٹال جاتا ہے' میں اصرار کروں تو مذاق اڑانے لگتا ہے' لیکن سائرہ جانتی ہے کہ میں کس عذاب میں مبتلا ہوں' ڈاکٹر عظمی آپ کا مجھے پتا نہیں کہ آپ میرے بارے میں کیا سوچ رہی ہیں' اندر ہی اندر میرے اوپر ہنس رہی ہیں یا واقعی مجھے بیمار سمجھ کر میرا علاج تجویز کرنا چاہتی ہیں۔''

''جناب ناصر صاحب! کوئی ڈاکٹر اپنے مریض پر نہیں ہنس سکتا' میں نے آپ کا علاج شروع کر دیا ہے' یہ بات چیت علاج کے ذیل میں ہی آتی ہے' اس تحلیل نفسی کے ذریعے ہی آپ اس فریب سے چھٹکارا پا سکتے ہیں' ناصر صاحب آپ کیا کرتے ہیں.....؟''

''اسمگلنگ بہرحال نہیں کرتا۔'' ناصر ہنستے ہوئے بولا۔

''ویسے اسمگلنگ کرنے کو دل چاہتا ہے.....؟''

''جی بالکل نہیں۔'' ناصر نے سنجیدگی سے کہا۔ میں ایک باعزت پیشے سے منسلک ہوں' اور ایک بڑی فرم میں چیف اکاؤنٹنٹ ہوں' مجھے جتنی تنخواہ ملتی ہے اس میں ہم دونوں میاں بیوی کی گزر بسر بڑے آرام سے ہو جاتی ہے' ہمارے گھر میں اللہ کا دیا سب کچھ ہے' ویسے میری بیوی بھی ملازمت کرتی ہیں۔''

''ناصر صاحب! آپ کے کتنے بچے ہیں.....؟''

''ایک بھی نہیں۔'' ناصر نے سائرہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''غالباً آپ کا اگلا سوال یہ ہو گا کہ ہماری شادی کو کتنا عرصہ ہوا.....؟''

''جی بالکل.....''

''ہماری شادی کو ابھی صرف دو سال ہوئے ہیں۔''

''خاصی دیر سے کی شادی آپ نے.....؟''

''جی ہاں۔'' ناصر نے سائرہ کو معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''لو میرج۔'' ڈاکٹر عظمی نے پوچھا۔

''جی نہیں' میں شادی سے پہلے محبت کا قائل نہیں' اصل محبت وہ ہوتی ہے جو شادی کے بعد

''جی بلاشبہ۔''

''آپ بڑے خوش قسمت ہیں مسٹر ناصر؟''

''جی ہاں' بیوی کے معاملے میں' میں واقعی ... قسمت ہوں' لیکن اس وہم نے میری زندگی ...ن کر دی ہے' میں اس خوف سے کہیں آتا ... بھی نہیں ہوں۔''

''مسٹر ناصر! آپ ٹھیک ہو جائیں گے لیکن ...ب ہونے میں آپ کو وقت لگے گا' اور اس ...لے میں آپ کو میری مدد کرنا ہو گی۔''

''جی میں حاضر ہوں۔ بتائیے مجھے کیا کرنا ...گا؟''

''یہ یقین کرنا ہو گا کہ آپ ٹھیک ہو جائیں ... اندر سے ٹھیک ہونے کے لیے آمادہ نہیں ...ں گے' تب تک آپ کبھی ٹھیک نہیں ہو پائیں ... کیا آپ یقین کی قوت کے بارے میں ...تی ہیں' آپ کو سب سے پہلے اپنے اندر یقین ...ا کرنا ہو گا۔''

''لیکن میرے اندر یہ یقین کون پیدا ...ے گا۔'' ناصر نے پوچھا۔

''یہ یقین میں آپ کے اندر پیدا کروں گی' ...ر آپ کو اس عذاب سے نجات دلاؤں گی' ... آپ تین دن کے بعد آئیے گا' اسی وقت ... تنہا آئیے گا' اب جائیے' اگلی ملاقات تک ...یے خدا حافظ۔'' ڈاکٹر عظمی نے یہ کہہ کر ...دی۔

''جی بہتر۔'' ناصر اٹھتے ہوئے بولا۔ ...نے ڈاکٹر عظمی کا شکریہ ادا کیا اور پھر ...ے سے باہر آ گئے۔

☆☆

سائرہ کی امی کو اپنے داماد کی بڑی فکر تھی' وہ ... نے کتنے ہی تعویز گنڈے اس کے لیے لا چکی ...لیکن کوئی افاقہ نہ ہوا تھا' ان کا خیال تھا کہ ... نے ناصر پر کچھ کروا دیا ہے' اور اس سلسلے میں

[illegible] ... سائرہ ان کی سب سے بڑی لڑکی تھی' سائرہ کے علاوہ چار لڑکیاں اور تھیں جو سب کی سب دوسرے شہروں میں [illegible] ... سائرہ کے گھر سے [illegible] ... کی امی کے [illegible] ... کے رشتے آ [illegible] ... کبھی ایسا [illegible] ... دوسری بچیوں کو پسند کر [illegible] ... نے ان کم ... کوئی اثر نہ ہوا [illegible] ... طرح ایک ایک کر کے ... اپنے گھروں کی ہو گئیں [illegible] ... سائرہ [illegible] ... ناصر سعودی عرب [illegible] ... کا رشتے دار تھا' سعودی عرب [illegible] ... تین دن ان کے گھر [illegible] ... دن میں ناصر سائرہ کی [illegible] ... نے ناصر سے اپنا دل کھول کر [illegible] ... سائرہ کی طرف [illegible] ... تھیں تو ان کی آنکھیں [illegible] ... رشتے کو فوراً قبول کر لیا [illegible] ... شادی کر لی' سارے [illegible]

بہت پسند تھا' ایک تو ناصر نے سائرہ کو بہت اچھی طرح رکھا ہوا تھا' اب اسی اچھے ناصر کو یہ عجیب و غریب بیماری لگ گئی تھی' سائرہ کی امی کو سو فیصد یقین تھا کہ یہ سب کیا دھرا اسی ڈائن شمس النساء کا ہے' اگرچہ حیدر کی شادی ہو چکی تھی اور اس کے کئی بچے بھی ہو چکے تھے' لیکن شمس النساء کے کلیجے میں آگ ٹھنڈی نہیں ہوئی تھی' وہ ہر آئے گئے سے ناصر کی بیماری کا تذکرہ کرتی' ہر شخص اس تجربے سے عقل کے مطابق مشورہ دیتا' ان مشوروں میں کسی نہ کسی عامل سے ملنے پر زیادہ زور دیا جاتا' سائرہ کی امی جب تعویذ گنڈے ٹونے ٹوٹکے کر کے تھک گئیں تو پھر انہوں نے شہر کے ایک مشہور عامل کے پاس ناصر کو لے جانے کا ارادہ کیا اور آج وہ اس ارادے سے سائرہ کے گھر آئی تھیں۔

ناصر کی ملاقات کل ہی ڈاکٹر عظمیٰ سے ہوئی تھی' دو دن کے بعد پھر ان کے پاس جانا تھا' ناصر اور سائرہ دونوں ہی اس کی شخصیت سے متاثر ہوئے تھے' ناصر کا خیال تھا کہ وہ ضرور اسے اس عذاب سے نجات دلا دے گی۔

جب اس نے کسی عامل کے پاس چلنے کا ذکر چھیڑا تو وہ مروتاً انہیں منع نہ کر پایا۔ سائرہ نے ڈاکٹر عظمیٰ کا ذکر چھیڑ کر انہیں اپنے ارادے سے باز رکھنے کی کوشش بھی کی' لیکن انہوں نے ایک نہ سنی' وہ سائرہ کو ستانے لگیں۔

''اری بے وقوف! یہ کام ڈاکٹروں کا نہیں ہے' عاملوں کا ہے...... عاملوں کا...... جادو کا اثر بھلا ڈاکٹر کس طرح دور کرے گی۔ میں نے عامل فضل ربی سے بات کر لی ہے انہوں نے ناصر کو بلایا ہے۔''

''تمہیں معلوم ہے اماں کہ میں ان چیزوں کی قائل نہیں ہوں۔''

''قائل نہ تھی' تبھی تو تیری شادی اتنے عرصے تک نہ ہو سکی۔''

''شادی بیاہ کا اماں ایک وقت مقرر ہے' لاکھ کوشش کر لو' وقت سے پہلے نہیں ہوتی' جب ہونی ٹھہری تو کوئی روک سکا' خالہ شمس النساء کے جادو ٹونے سب دھرے کے دھرے رہ گئے۔''

''کہاں دھرے رہ گئے۔ ارے یہ سب اس کمینی کا ہی تو کیا دھرا ہے' خدا غارت کرے اسے' اس سے تو میری کوئی خوشی دیکھی نہیں جاتی' میں نے ناصر کو لے کر ہی جانا ہے۔ تو چاہے کتنی مخالفت کر' کیوں ناصر تم چلو گے نا میرے ساتھ۔''

''جی' امی میں آپ کے ساتھ ضرور چلوں گا' ڈاکٹر کا علاج تو چل ہی رہا ہے' اللہ والے سے بھی مل کر دیکھ لینا چاہیے' آخر اس میں ہرج ہی کیا ہے۔'' ناصر نے سائرہ کی طرف مسکرا کر دیکھا۔

''آپ خواہ مخواہ' اماں کے چکر میں پڑ گئے۔'' سائرہ سنجیدگی سے بولی۔

''اری میں تیرے بھلے کی بات کر رہی ہوں اور تو ناراض ہو رہی ہے۔''

''اماں اسے بکنے دیں۔ میں آپ کے ساتھ چلوں گا۔ بتائیے کب چلنا ہے۔'' ناصر نے سائرہ کی امی کی طرف داری کی۔

''آپ کی انہی فرمابرداریوں نے ہی تو گرزید بنا رکھا ہے اماں کو۔'' سائرہ نے جل کر کہا۔ ''ٹھیک ہے جائیں جہاں جانا ہے۔''

''عامل فضل ربی بڑے پراسرار عامل تھے' ستارہ شناسی سے بندہ شناسی تک تمام علوم سے بہرہ ور تھے' بس بے بہرہ تو اللہ کی ذات ہے۔ بیماریوں کا ایسا عجیب و غریب علاج بتاتے تھے کہ بندہ چکرا کر رہ جاتا' اس کے باوجود ان کی رہائش گاہ پر خوب رش رہتا تھا' اب وہ پہلے سے وقت دیے بغیر کسی سے نہیں ملتے۔''

سائرہ کی امی' وقت مقررہ پر ناصر کو لے کر عامل فضل ربی کی رہائش گاہ پر پہنچ گئیں' سائرہ بھی طوعاً کرہاً ساتھ آ گئی تھی' وہ تینوں انتظار کرنے والوں کی قطار میں بیٹھ گئے' کوئی پندرہ منٹ کے بعد ناصر کا نام پکارا گیا۔

ناصر کا نام سن کر تینوں اٹھے لیکن دروازے میں داخل ہونے کے پہلے داروغۂ زنداں نے روک دیا۔ ''مریض کے ساتھ ایک عورت اندر جا سکتی ہے۔''

''سائرہ تو ادھر بیٹھ' میں ناصر کے ساتھ اندر جاتی ہوں۔'' سائرہ کی امی نے خود فیصلہ دے دیا' ویسے سائرہ خود بھی اندر جانا نہیں چاہتی تھی۔

سائرہ کی امی نے اندر پہنچ کر بڑے ادب سے عامل فضل ربی کو سلام کیا' جبکہ ناصر بڑی خاموشی سے ان کے سامنے کھڑا ہو گیا' سرخ سفید فضل ربی نے دونوں پر سرسری سی نظر ڈالی اور بیٹھنے کا اشارہ کیا وہ دونوں باادب بیٹھ گئے۔

''مسئلہ بیان کرو۔'' عامل صاحب گویا ہوئے۔

''شاہ جی! یہ میرے داماد ہیں۔ ان پر میری خالہ زاد بہن نے جادو کرایا ہے۔'' سائرہ کی امی نے داستان شروع کی۔

انہوں نے سائرہ کی شادی سے پہلے اور شادی کے بعد کی تمام روداد عامل صاحب کے گوش گزار کی پھر ناصر کی بیماری کے بارے میں بتایا۔

ساری کہانی سن کر فضل ربی نے پاس رکھی ہوئی ایک سلیٹ اٹھائی اور چاک سے کچھ لکھنے لگے پھر تھوڑی دیر بعد سر اٹھایا۔ اپنی سرخ سرخ آنکھوں سے ناصر کو گھورا پھر بولے۔

''میاں صاحب زادے' پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں' تم ٹھیک ہو جاؤ گے' تمہاری ساس کا خیال صحیح ہے' تم پر واقعی اثر ہے' اور یہ سب کیا دھرا تمہاری خالہ کا ہے' میں ایک تعویذ لکھ دیتا ہوں' اس کا سحر توڑ ہو جائے گا' اور تمہیں چالیس دن تک ایک عمل کرنا ہو گا۔ کرو گے میاں صاحب۔۔۔؟''

''جی کر لوں گا۔'' ناصر نے ان کی سرخ آنکھوں میں جھانکنے سے پرہیز کیا۔

''چالیس دن تک چالیس سیڑھیاں روز اترنا چڑھنا ہیں' میاں کس فلور پر رہتے ہو؟''

''تھرڈ فلور پر۔'' ناصر نے جواب دیا۔

''بس پھر چالیس سیڑھیاں گن کر نشانی لگا لینا۔ یہ عمل رات کے بارہ بجے شروع کرنا ہو گا اور سیڑھیاں الٹے ہو کر اترو گے اور چڑھو گے سمجھ گئے میاں۔'' پھر انہوں نے سائرہ کی امی سے مخاطب ہو کر کچھ اور الٹی سیدھی ہدایات جاری کیں اور پھر جانے کی اجازت دے دی۔

ان کے اٹھنے سے پہلے عامل صاحب نے قریب رکھے ایک شیشے کے مرتبان میں ہاتھ ڈال کر ایک تہہ کیا ہوا کاغذ نکالا' اس پر کچھ پڑھ کر پھونکا اور سائرہ کی امی کے حوالے کر دیا' سائرہ کی امی نے بڑی احتیاط سے اس تعویذ کو اپنے پرس میں رکھ لیا' اور بڑے ادب سے سلام کر کے کمرے سے نکل آئیں۔ باہر میز پر رکھے ہوئے ایک خوب صورت ڈبے میں انہوں نے ڈھائی ہزار روپے ڈالے۔ عامل صاحب کی فیس پندرہ سو سے لے کر تین ہزار روپے تک تھی' اب یہ دینے والی کی مرضی پر منحصر تھا کہ وہ پندرہ سو دیتا ہے یا تین ہزار روپے' سائرہ کی امی نے درمیانہ راستہ اختیار کیا۔

یہ پندرہ سو کا تعویذ چاندی کے خول میں بند کر کے ناصر کے گلے میں ڈال دیا گیا اور رات کے بارہ بجے سائرہ کی امی نے اپنی نگرانی میں اسے سیڑھیاں اتروائیں اور چڑھوائیں' الٹی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے ایک بار تو وہ گرتے گرتے بچا۔

جب صبح سائرہ کی امی چلی گئیں تو سب سے پہلے سائرہ نے ناصر کے گلے سے تعویذ کھینچ کر

المارری میں پھینکا اور اپنی امی کی ضعیف الاعتقادی سے خوب بڑبڑاتی رہی' ناصر بڑی خاموشی سے اس کی بڑبڑاہٹ سنتا رہا اور دفتر جانے کے لیے تیار ہوتا رہا۔

تھوڑی دیر میں سائرہ کے دفتر کی گاڑی آ گئی' سائرہ کے جانے کے بعد ناصر نے بھی اپنے دفتر کا رخ کیا۔

دوپہر کو جب کھانے سے فارغ ہو کر ناصر چائے پی رہا تھا تو ٹیلی فون کی گھنٹی بجی' ناصر نے کپ پرچ میں رکھ کر ریسیور اٹھایا۔

"جی" ناصر نے کہا۔

"ناصر صاحب سے بات ہو سکے گی۔" جناب ادھر سے کسی نے دریافت کیا۔

"میں بول رہا ہوں۔" ناصر نے تصدیق کی۔

"اوہ معاف کیجیے گا۔ میں آپ کی آواز پہچان نہ سکا' اصل میں کئی سالوں بعد سنی ہے نا آپ کی آواز....."

"کون صاحب بات کر رہے ہیں؟" ناصر نے اس کی آواز پر غور کرتے ہوئے پوچھا۔

"کمال ہے ناصر صاحب آپ مجھے بھول گئے' اپنے محسن کو بھول گئے۔"

"محسن ——" ناصر حیرت سے بولا۔ "میرا کوئی ایسا محسن نہیں' جس کی آواز میں پہچانتا نہ ہوں۔"

"کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کا دعویٰ غلط ہو جائے۔"

"اچھا ٹھیک ہے' آپ میرے دعوے کو جھوٹا ثابت کریں' اپنا نام بتا دیں۔"

"ایک نام لیتا ہوں' ذرا غور سے سنیے گا۔ وہ نام ہے فائزہ۔" فائزہ کا نام سن کر ناصر کی رگوں میں اندھیرا اترنے لگا' اس نام سے بہت سی یادیں وابستہ تھیں' اس طرح سے جو بھی بول رہا تھا' وہ اس کے ماضی سے واقف تھا لیکن ناصر اپنے ماضی کو بھلا چکا تھا اور بھولا رہنا چاہتا تھا۔

چند لمحے تک جب ریسیور پر کوئی آواز نہ آئی تو ادھر کوئی ہنسا۔ "ناصر صاحب اب بھی پہچانے یا نہیں......؟"

"یہ کیا بکواس ہے......؟" ناصر نے غصے سے کہا۔ "بند کریں یہ بکواس' میں کسی فائزہ کو نہیں جانتا۔"

"احسان فراموش جو ٹھہرے۔" ادھر سے کسی نے طنز کیا۔ "تو آپ نہیں جانتے فائزہ کو' ٹھیک ہے اس نے آپ کے ساتھ دھوکا کیا لیکن وہ کوئی بھلائی جانے والی چیز تو نہیں' ایسی صورت میں جب کہ آپ نے بھی کوئی کسر نہ اٹھا رکھی ہو' اس نے دھوکا دیا تو آپ نے اسے صفحہ ہستی سے مٹا دیا۔ اب آپ کہتے ہیں کہ آپ کسی فائزہ سے واقف نہیں' کمال ہے' انہیں بے وفا بیوی کو کون بھول سکتا ہے۔"

"اوہ......" تب اچانک' ناصر نے اس کو پہچان لیا' وہ واقعی اس کا محسن تھا' اس کی اطلاعات پر تو وہ سب کچھ ہوا تھا' ورنہ فائزہ نہ جانے کب تک اس سے بے وفائی کرتی رہتی اور وہ اسے وفا کی پتلی سمجھ کر پوجے جاتا' لیکن یہ وقت اس محسن کو پہچاننے کا نہیں تھا' بات تین چار سال پرانی ہو گئی تھی' اب وہ کسی جھنجٹ میں نہیں پڑنا چاہتا تھا' لہٰذا اس نے بغیر کچھ جواب دیے ٹیلی فون بند کر دیا' اس کا خیال تھا کہ ابھی فوراً ہی دوبارہ اس کا ٹیلی فون آئے گا' لیکن ایسا نہ ہوا۔

ناصر نے پسینے میں بھیگے ہوئے چہرے کو تولیے سے صاف کیا' اس ٹیلی فون کال نے اس کے وجود کو ہلا کر رکھ دیا تھا' یہ شخص کہاں سے بول رہا تھا' اس کو اس کا ٹیلی فون نمبر کہاں سے ملا' اس کو اس کے دفتر کا پتا کیسے چلا' اب وہ شخص اس سے کیا چاہتا ہے' اس نے اسے کیوں ٹیلی فون کیا تھا' محض اس کو خوفزدہ کرنے کے لیے یا اس کے عزائم کچھ اور ہیں' اب اسے کیا کرنا چاہیے؟ وہ جانتا تھا کہ ایک آدھ دن میں اس کا ٹیلی فون پھر آئے گا۔ تو وہ اس کے ساتھ کیسا رویہ اختیار کرے' ظاہر ہے وہ اس کو پہچان کر خود کو پھانسی کے تختے کی طرف نہیں لے جانا چاہتا تھا۔

شام کو جب وہ دفتر سے اٹھنے لگا تو خاصا نروس تھا' اٹھتے اٹھتے ٹیلی فون کی گھنٹی بجی' اس نے سوچا کہ کہیں بھائی محسن کا ٹیلی فون نہ ہو' یہ سوچ کر اس نے ریسیور اٹھانے کا ارادہ ملتوی کر دیا' وہ اکثر اس وقت ٹیلی فون کیا کرتی تھی۔ اس خیال کے تحت اس نے ریسیور اٹھا لیا۔

"جی ناصر صاحب بولیے۔"

"آپ کا محسن' اتنی دیر میں تو آپ نے میرے بارے میں اچھی طرح سے غور کر لیا ہوگا۔"

"او گدھے' بکواس بند کر۔" ناصر نے غصے میں کہا۔ "اب اگر مجھے فون کیا تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔"

"تم سے برا تو اب بھی کوئی نہیں۔"

"میں بلیک میل ہونے والوں میں سے نہیں ہوں تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔" ناصر نے اپنے لہجے میں یقین پیدا کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا ٹھیک ہے میرا انتظار کرو' میں صبح کا ستارہ ہوں۔" یہ کہہ کر ادھر سے ٹیلی فون بند کر دیا گیا۔

"صبح کا ستارہ۔" یہ نام سن کر ناصر کو اب کسی قسم کا شبہ نہ رہا' وہ وہی تھا' وہ اسی نام سے اسے ٹیلی فون کیا کرتا تھا۔

چند سیکنڈ کے بعد پھر ٹیلی فون کی گھنٹی بجی' اس نے ڈرتے ڈرتے ریسیور اٹھایا۔ "جی......"

"ہاں میں بول رہی ہوں' کیا پروگرام ہے تمہارا؟" ادھر سائرہ تھی۔

"بس میں نکل رہا ہوں دفتر سے۔"

"میں بھی نکل رہی ہوں' تم مارکیٹ کی دکان سے گوشت لیتے آنا' لے آؤ گے [illegible]"

"آج منگوا لیں' گوشت کی دکان پر رش بہت ہوتا ہے۔"

"اچھا چھوڑو' تم گھر آؤ' کچھ کر لیں گے۔"

اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے' یہاں خوشیاں ہی خوشیاں تھیں' وہ سائرہ سے شادی کر کے سب کچھ بھول گیا تھا' اسے نہیں معلوم تھا کہ یہ سب کچھ عارضی ہے' اگر بات بڑھ گئی اور سائرہ کو سب کچھ معلوم ہو گیا تو وہ اسے منہ دکھانے کے قابل بھی نہ رہے گا۔

اس نے سائرہ سے جھوٹ بولا تھا' اس نے سائرہ کی امی کو اپنے بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا تھا' اس کا خیال تھا کہ اس کے جرم سے کوئی پردہ نہ ہٹا سکے گا' لیکن اس صبح کے ستارہ نے سارا کھیل ہی بگاڑ دیا تھا' کون ہے یہ کمبخت' وہ تو اسے شکل سے بھی نہیں پہچانتا' بس آواز ہی سنی ہے صبح کا ستارہ۔"

پہلی بار جب اس نے اس کی آواز سنی تھی تو محض مذاق سمجھ کر ریسیور رکھ دیا تھا' چند لمحوں بعد پھر گھنٹی بجی تھی۔

"جی ناصر۔" [illegible] کبھی ہیلو نہیں کہتا تھا۔

"ناصر صاحب' شاید آپ میری بات [illegible] مذاق سمجھ رہے ہیں' اگر کوئی شک ہے تو [illegible] آکر تصدیق کر لیجیے۔"

"آپ [illegible] کہنا چاہتے ہیں؟"

"میں صبح کا ستارہ [illegible] تعارف کافی ہے ناصر صاحب' میں آپ کا محسن ہوں' آپ ایک شریف آدمی [illegible] بیوی آپ [illegible]"

"[illegible] بول رہے ہیں؟"

"[illegible] آپ کا [illegible]"

ہے۔''
''پھر تو آپ میری بیوی کے نام سے واقف ہوں گے......؟''
''جی بالکل' آپ کی بیوی کا نام فائزہ ہے اور آپ کے یقین کے لیے ایک اور بات بتادوں' آج وہ کالی ساڑھی باندھے ہوئے ہے۔''
''اوہ...'' اب' صبح کا ستارہ' پر کان دھرنا بہت ضروری ہو گیا تھا کیونکہ اس نے جو نشانی بتائی تھی' وہ صحیح تھی لیکن فائزہ کے بارے میں صبح کا ستارہ نے جو کچھ بھی بتایا تھا' اس پر یقین کرنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔
اسے اپنی بیوی پر بڑا بھروسہ تھا' بڑا اعتماد تھا۔
وہ تو کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا' کہ اس کی بیوی اس طرح چوری چھپے اس کی غیرت کو یوں نیلام کردے گی' فائزہ بڑے باپ کی بیٹی تھی' وہ جہیز میں اپنے ساتھ بہت کچھ لائی تھی' اس کے باپ نے اسے ایک فلیٹ دیا تھا' اور اس فلیٹ کو زندگی کی ہر آسائش سے بھر دیا تھا۔
باپ نے جہیز دے کر گویا احسان کر دیا' یہ سمجھ لیا جیسے بیٹی کو ہر سکھ دے دیا' جہیز دے کر سکھ دینے والا باپ اگر اپنی بیٹی کے ذہن کو پڑھ لیتا تو آج یہ نوبت نہ آتی۔
فائزہ کو شروع ہی سے کمال احمد سے لگاؤ تھا' کمال احمد' فائزہ کے بھائی ہاشم کا دوست تھا' اس کا گھر میں آنا جانا تھا' اسی آنے جانے میں فائزہ اور کمال احمد ایک دوسرے کو دل دے بیٹھے تھے اور دلوں سے گزر گئے۔
فائزہ کو معلوم نہیں تھا کہ کمال احمد کی اپنی خالہ زاد بہن سے منگنی ہو چکی ہے' جب اسے معلوم ہوا تو کف افسوس ملنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا' یہ منگنی نہیں ٹوٹ سکتی تھی' دو خاندانوں کا مسئلہ تھا' ادھر فائزہ اسے نہیں چھوڑ سکتی تھی' یہ دو دلوں کا معاملہ تھا۔
کمال احمد بزدل تھا' تو بہادر فائزہ بھی نہ تھی وہ بات جو دونوں کے دلوں میں محفوظ تھی' محفوظ ہی رہی' کوئی بھی اپنے گھر میں بات نہ کر سکا۔
فائزہ کے والد ناصر سے ذاتی طور پر واقف تھے' ناصر غریب تھا' ایسا غریب بھی نہ تھا' کہ کھانے پینے کو کچھ میسر نہ ہو' البتہ ان کے مقابلے میں واقعی غریب تھا' فائزہ کے والد نے اس کی کمی کو اپنے طور پر پورا کر دیا' اسے اچھی ملازمت دلوائی' گھر میں سوئی سے لے کر فریج تک سب کچھ رکھوا دیا' اور ساتھ ہی گھر کو جانے سنوارنے والی لڑکی دے دی۔
ادھر کمال احمد کے گھر والوں کی طرف سے بھی اسی طرح کا سلوک ہوا۔
دونوں کی شادیوں کی تاریخ مقرر ہو گئی۔
دلچسپ و عجیب بات یہ تھی کہ دونوں کی شادی کی تاریخ ایک تھی' شادی سے ایک دن پہلے کمال احمد نے فائزہ کو فون کیا' اتفاق سے فون فائزہ نے اٹھایا۔ اس وقت آس پاس بھی کوئی نہ تھا' اس لیے دونوں کی بات ہو گئی۔
''کل تمہاری شادی ہے' تم تو بہت خوش ہو گے کمال احمد؟'' فائزہ نے پوچھا۔
''شادی تو تمہاری بھی کل ہی ہے' کیا تم خوش ہو......؟''
''نہیں بالکل نہیں۔ تمہیں کھو کر میں کیسے خوش ہو سکتی ہوں۔''
''پھر مجھ سے خوش ہونے کی توقع کیوں ہے......؟''
''تم مرد ہو' تمہیں فائزہ نہ ملی' راحیلہ مل گئی' بات ایک ہی ہے۔''
''اچھا' ایسی باتیں کر کے میرا دل نہ جلاؤ۔''
''میں نے ایک بات طے کر لی ہے۔ کمال احمد'' فائزہ نے ٹھنڈی سانس لی۔
''کیا......؟'' کمال احمد نے پوچھا۔
''میں تمہاری ہوں' تمہاری ہی رہوں گی' وہ مجھ سے کچھ نہ پا سکے گا۔''
بات شاید آگے بڑھتی مگر اسی وقت کوئی کمرے میں آ گیا اب فائزہ کے پاس ہوں' ہاں' کرنے کے سوا اور کچھ نہ تھا' وہ ہوں' ہاں کرتی رہی' ادھر کمال احمد نے فوراً سمجھ لیا کہ کمرے میں کوئی آ گیا ہے لہٰذا اس نے اپنے دل کی بات کہی اور فائزہ جواب میں ٹھیک ہے' صحیح ہے' ہوں' کہتی رہی۔
دونوں نے شادی کے دوسرے دن ملنے کا پروگرام بنایا۔
خیر شادی کے دوسرے دن کمال احمد کے لیے گھر سے نکلنا اتنا مشکل نہ تھا' جتنا فائزہ کے لیے' لیکن جب سر دل پر سوار سایا ہوا ہو اور آدمی خطرات مول لینے کی ٹھان لے تو پھر کچھ مشکل ہی نہیں رہتا۔
شادی کے دوسرے دن جب شام کو ناصر' فائزہ کو لے جانے کے لیے آیا تھا تو فائزہ اس سے یہ کہہ کر گھر سے نکل گئی' ''تم ذرا بیٹھو میری ایک سہیلی کی طبیعت خراب ہے' میں اسے دیکھ کر ابھی آتی ہوں' بس پندرہ سے بیس منٹ' زیادہ نہیں لگیں گے' تب تک میں شمسہ کو تمہارے پاس بھیجتی ہوں۔''
ڈرائنگ روم سے نکل کر اس نے اپنی چھوٹی بہن کو کچھ سمجھایا' اور پھر پورے اطمینان سے گھر سے نکل گئی۔
گھر سے نکلتے ہی فوراً اسے رکشا مل گیا' وہ رکشے میں بیٹھ کر پہلے سے طے شدہ مقام پر پہنچ گئی یہ کوئی نئی جگہ نہ تھی' اس ریستوران میں وہ اکثر ملا کرتے تھے۔
ریستوران میں کمال احمد پہلے سے اس کا منتظر تھا' اسے دروازے میں داخل ہوتے دیکھ کر تازہ پھول کی طرح کھل اٹھا۔
''کیسی ہو فائزہ......؟'' کمال احمد اسے مسرور نگاہوں سے دیکھتا ہوا بولا۔
''دیکھ لو' ابھی ابھی شادی سے بچی تھی......؟''
''کیا مطلب......؟''
''تمہاری [illegible] کیا ہوا ہے''
''تمہارے بغیر [illegible] میں اپنے آپ کو خالی کمرے کی طرح محسوس کر رہی ہوں......!''
''کیوں' اس میں کس کی تصویر کہاں گئی......؟''
''میرے سامنے بیٹھی ہے۔''
''[illegible] اب آئی ہے' ایک [illegible] سے ملاقات ہونے [illegible] ہوئے [illegible] کر مجنوں بن گیا ہے'' فائزہ نے [illegible] کر کہا۔
''لیکن ہم سے ملے تو [illegible] میں تو اصلی مجنوں [illegible]''
''اصلی مجنوں ہوتے تو کیا مجھ سے [illegible] کر لیتے۔'' فائزہ نے [illegible]
''مجھے اگر تم نے [illegible] سے ملنے تو چلا آیا۔''
''ہاں [illegible] تم؟'' فائزہ نے اسے [illegible] مشکل [illegible] تو پھر بھی میں نکل آئی۔ [illegible] ہوں' اب چلنا چاہتی [illegible] پندرہ بیس منٹ کا کہہ کر [illegible] گھر [illegible]
[illegible] وقت مقرر کر لیا اور [illegible] جانے سے ریستوران [illegible]
فائزہ جب گھر [illegible]

لیکن ناصر کو اس کا احساس بھی نہ ہوا' نسرین اس کے پاس بیٹھی شگوفے چھوڑتی رہی' ویسے بھی ناصر کے تصور میں یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ فائزہ اس وقت سہیلی سے نہیں عاشق سے ملنے گئی ہے' عورتوں کو آنکھوں میں دھول جھونکنے کا فن خوب آتا ہے۔

کمال احمد اور فائزہ جن راہوں پر چل پڑے تھے' وہ سراسر تباہی کی طرف جاتی تھیں' وہ دونوں ایک دوسرے کے دشمن ہوگئے اور اسے وہ عشق سمجھ رہے تھے' عشق کبھی منفی نہیں ہوتا منفی ہو ہی نہیں سکتا۔

فائزہ نے چند دنوں کے اندر ہی ناصر کو اپنی مٹھی میں بند کرلیا' وہ اس کی جھوٹی محبت کے فریب میں آ گیا' اور جیسا وہ کہتی' کرنے لگتا' اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شادی کے صرف پندرہ دن بعد ناصر جہیز سے ملنے والے فلیٹ میں منتقل ہوگیا' فائزہ اپنے ساس' سسر کے سامنے میٹھی بنی رہی' یہی ظاہر کرتی رہی کہ وہ تو الگ نہیں ہونا چاہتی لیکن ناصر کی ضد کے آگے بے بس ہے' جہاندیدہ والدین اس ڈرامے کو خوب سمجھ رہے تھے لیکن انہوں نے ناصر کے گھر چھوڑنے پر کسی ناراضگی کا اظہار نہ کیا۔ وہ چاہتے تھے کہ وہ دونوں خوش رہیں۔ الگ رہ کر خوش رہ سکتے ہیں تو ایسا کر دیکھیں۔

فائزہ نے فلیٹ میں آ کر سکھ کا سانس۔ سسر کا گھر اس کی راہ کا کانٹا تھا۔ اب یہ کانٹا اس نے اپنی ہنرمندی دکھا کر بڑی صفائی سے نکال دیا۔ فلیٹ میں آ کر اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے کردار کی مضبوطی کے بارے میں ناصر کو درس دینا شروع کیا۔ اپنی پاکیزگی کے قصے تخلیق کر کر کے اسے سنائے گئے۔ اس درس و تدریس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ناصر کو اس پر اندھا اعتماد ہوگیا' اور اعتقاد جب اندھا ہو جائے تو پھر کچھ نظر نہیں آتا' اور جب نظر آتا ہے تو اس کے لیے پانی سر سے اونچا ہو چکا ہوتا ہے۔

ٹیلی فون کے بغیر فائزہ خود کو ادھورا محسوس کرتی تھی' ناصر کے دفتر جانے کے بعد وہ تنہا رہ جاتی۔ یہ تنہائی اسے کاٹنے کو دوڑتی' کبھی وہ رسالے لیکر بیٹھ جاتی' کبھی وی سی آر پر کوئی فلم لگا لیتی۔ ان سے اکتاتی تو پڑوس میں جا بیٹھتی۔ آخر دوسرے کے گھر بھی ہر وقت نہیں گھسا جا سکتا۔ آنے جانے کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ پڑوس میں فون تھا اس لیے فائزہ نے ان سے اچھے تعلقات استوار کرلیے۔ اب اسے اتنا فائدہ ہوگیا تھا کہ اس کا کوئی فون آتا تو وہ فوراً اس کو بلا لیتے۔ فائزہ کی امی اور بہنیں اس سے فون پر بات کرلیتیں۔ کبھی سہیلیوں کے فون بھی آ جاتے' اس طرح فائزہ کو کچھ آسرا ہوگیا۔ ویسے اس نے اپنے باپ سے ٹیلی فون لگوانے کو کہہ دیا تھا...... اور انہوں نے وعدہ بھی کرلیا تھا...... اب وہ وعدہ وفا ہونے کی منتظر تھی۔

فائزہ نے اپنے گھر پر کمال احمد سے بات کرنے کے لیے ٹیلی فون لگوانا چاہتی تھی' لیکن ناصر پر وہ یہ ظاہر کیا کرتی تھی کہ تمہارے دفتر جانے کے بعد بور ہونے لگتی ہوں' تمہارے بغیر دل نہیں لگتا' گھر پر ٹیلی فون ہو تو بندہ ٹیلی فون پر ہی بات کرلے۔ ناصر' فائزہ کی زبانی اس طرح کے جملے سن کر پھولے نہیں سماتا۔

فائزہ نے کمال احمد کو پڑوس کا ٹیلی فون نمبر دے دیا تھا' ٹیلی فون کی وجہ سے ملاقاتوں میں آسانی ہوگئی تھی' فائزہ اب اس سے باہر نہیں ملنا چاہتی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ یہ ملاقاتیں اب محفوظ انداز میں ہوں اور سب سے محفوظ طریقہ گھر کے سوا کوئی نہ تھا۔

پھر گھر پر ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ فائزہ جس کو سب سے محفوظ طریقہ سمجھتی تھی' اور یہ خیال کرتی تھی کہ ان ملاقاتوں کا کبھی ناصر کو علم نہ ہو سکے گا' لیکن ہوا...... ہوا اس کے برعکس......

اہم ادب سے انتخاب

گستاخ! تیری یہ مجال

شہزادہ والا گوہر کو چانڈو کی لت لگی ہوئی تھی۔ چانڈو والیوں کا جو ہر ٹھکانہ تھا اسے پینے کا بھی اپنا ہی انداز تھا۔ چانڈو باز ایک اینٹ پر سر رکھ کر لیٹ جاتا۔ گندم کی بالی کو مزے کی طرح اپنے ہونٹوں میں دبا کر ایک دہکتے ہوئے انگارے پر چانڈو رکھ کر اس کا دھواں گندم کی بالی کی مدد سے حلق میں اتارتا اور لیٹے لیٹے مدہوش ہو کر اسی اینٹ پر سر رکھے رکھے سرور کی دنیا میں پہنچ جاتا۔

لدھیانہ کے لچا بازار میں ایک چانڈو خانہ تھا۔ شہزادہ والا گوہر روزانہ کسی نہ کسی سے عجت کا (ا) کے حرم کا بر ایک دونی قرض لیتا اور سیدھا لچے بازار کے چانڈو خانہ میں جا کر اپنی مخصوص اینٹ پر سر رکھ کر [illegible] پی لیتا۔

ایک روز دونی حاصل کرنے میں شہزادے کو بہت دیر ہوگئی۔ چنانچہ وہ دیر سے چانڈو خانے پہنچا۔ وہاں جا کر دیکھا کہ اس کی مخصوص اینٹ پر کوئی دوسرا چانڈو باز لیٹا ہوا ہے۔ شہزادہ شاہی جلال میں آ گیا اور اسے شاہانہ انداز سے للکار کر کہا۔

''بے ادب! گستاخ چانڈو باز۔ تیری یہ مجال کہ شہزادہ عالم کی اینٹ پر اپنا سر حقیر رکھے لیتا ہے۔ اٹھو یہاں سے۔'' چانڈو باز نے کہا۔

''یہ کابل کا قلعہ نہیں شہزادے۔ چانڈو خانہ ہے۔ یہاں جو پہلے آیا لیٹ گیا۔''

''ہم کہتے ہیں کہ ہمارے جاہ جلال کو مت للکارو۔ اٹھ جاؤ اس اینٹ سے۔''

''ایسے تو نہیں اٹھوں گا۔''

''پھر کیسے اٹھو گے۔''

''اینٹ چھوڑنے کی دونی لوں گا۔''

''لعنت ہے تمہاری اوقات پر۔ حقیر کیڑے مکوڑے۔ لے پکڑ دونی اور چھوڑ دے شہزادے کی اینٹ۔''

شہزادے نے بڑے غرور اور تکبر سے اپنی اکلوتی دونی چانڈو خانے کے فرش پر دے ماری۔ چانڈو باز نے لپک کر دونی اٹھالی۔ شہزادہ بغیر چانڈو پیئے تھوڑی دیر اپنی اینٹ پر سر رکھے لیٹا رہا اور پھر وہاں سے نکل گیا اور سارا دن نشے کی ٹوٹ میں گزار دیا۔

صبح کا ستارہ نے اس راز کو راز نہ رہنے دیا۔

پڑوس کے گھر میں جہاں ٹیلی فون تھا وہاں ایک لڑکی بھی تھی۔ نادر آج کل امتحان ہو رہے تھے اس لیے اس کا زیادہ تر وقت گھر پر ہی گزرتا تھا۔ فائزہ کو نہیں معلوم تھا کہ نادر اس کے بارے میں کیا جذبات رکھتا ہے۔ وہ اس سے بڑی بے تکلفی سے بات کر لیا کرتی تھی۔ اس بے تکلفی نے نادر کے دل میں کچھ یوں پیدا کر دی۔ وہ اسے پسندیدگی سے دیکھنے لگا۔ اور ایک دن اس نے اپنی پسندیدگی کا اظہار بھی کر دیا۔

فائزہ کو اس کا اظہار محبت بہت برا لگا۔ اگر ٹیلی فون کا لالچ نہ ہوتا تو وہ اس کے ساتھ بہت بری طرح پیش آتی۔ ممکن تھا کہ تھپڑ مار دیتی۔ کیونکہ اس کی حرکت ہی ایسی تھی۔ فائزہ نے کسی شدید ردعمل کا اظہار نہیں کیا۔ لیکن اسے یہ بات اچھی طرح سمجھا دی کہ اگر آئندہ اس نے کوئی الٹی سیدھی حرکت کی تو وہ اس کے والدین سے شکایت کر دے گی۔

اس دھمکی کا نادر پر خاطر خواہ اثر ہوا۔ آئندہ اس نے اپنی زبان کو قابو نہ ہونے دیا۔ اس کے ساتھ احترام سے پیش آنے لگا۔ لیکن اندر اس کے ایک کانٹا سا چبھ گیا تھا۔ ایک خلش سی تھی۔ ہر وقت اسے بے چین رکھتی تھی۔

ایک دن کمال احمد کا فون آیا۔ نادر نے اٹھایا۔

''ہیلو۔''

''آپ کے پڑوس میں فائزہ رہتی ہیں۔ ذرا انہیں بلوا دیجیے۔''

''اچھا ایک منٹ ہولڈ کیجیے۔'' نادر نے کہا پھر ریسیور پر ہاتھ رکھ کر اس نے اپنی بہن کو آواز دی۔ ''شہناز۔''

''جی بھائی جان۔''

''فائزہ کا ٹیلی فون ہے اسے بلوا دو......''

''اچھا۔'' شہناز اسے بلانے چلی گئی۔

فوراً ہی فائزہ آ گئی۔ اس نے پوچھا۔

''کدھر سے سنوں......؟''

''بیڈ روم میں چلی جائیں۔ ڈرائنگ روم میں بھائی جان کے دوست بیٹھے ہیں۔'' شہناز نے بتایا۔

''ہاں ہیلو......'' فائزہ نے ریسیور اٹھایا۔

''جان میں بول رہا ہوں۔'' ادھر سے آواز آئی۔

فائزہ کی آواز سن کر نادر ریسیور رکھنے لگا تھا۔ لیکن اس بے تکلف انداز تخاطب نے نادر کو چونکا دیا۔ اس نے ریسیور پر ہاتھ رکھ کر اور پورے اطمینان سے ٹیلی فون پر ہونے والی گفتگو سننے لگا۔

اس گفتگو نے اس کی آنکھیں کھول دیں۔ فائزہ کی پارسائی ریزہ ریزہ ہو کر فضا میں تحلیل ہو گئی۔ ان کی باتیں سن کر وہ معنی خیز انداز میں مسکراتا رہا اور سوچتا رہا کہ اس نے پہلے دن ہی سے فائزہ کے ٹیلی فون کیوں نہ سنے۔ کیونکہ ان کی باتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ یہ سلسلہ کافی عرصہ سے چل رہا ہے۔

''کیا ہو رہا تھا؟'' ادھر سے پوچھا گیا۔

''امی آئی ہوئی ہیں۔'' فائزہ نے جواب دیا۔

''ارے میں تو تمہاری طرف آنے کا پروگرام بنا رہا تھا۔''

''امی شام تک چلی جائیں گی۔''

''اس کا مطلب کل آؤں......؟''

''ہاں......''

''گیارہ بجے ٹھیک ہے......؟''

''بالکل ٹھیک......''

اس کام کی گفتگو کے بعد پھر ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ ادھر سے جذباتی باتیں ہو رہی تھیں لیکن فائزہ ان باتوں کا بڑے محتاط انداز میں جواب دے رہی تھی۔ اس انداز میں کہ اگر کوئی اس کی گفتگو سن لے تو کچھ اندازہ نہ کر سکے۔ اسے کیا خبر تھی کہ ان دونوں کی گفتگو نادر ڈرائنگ روم میں بیٹھا سن رہا ہے۔

دوسرے دن ٹھیک گیارہ بجے کمال احمد فائزہ سے ملنے اس کے فلیٹ پر پہنچ گیا۔ نادر نے اسے بیل بجاتے اور پھر فلیٹ میں داخل ہوتے دیکھا۔

کوئی دس منٹ بعد اس نے ناصر کو رنگ کیا اور پھر آپریٹر سے اس کا نمبر مانگا۔

''جی......'' ادھر سے ناصر نے ریسیور اٹھایا۔

''ناصر صاحب بول رہے ہیں......؟''

''جی فرمائیے۔'' ناصر نے بڑی نرمی سے کہا۔ ''آپ کون صاحب بول رہے ہیں۔''

''ناصر صاحب! آپ اس وقت دفتر میں بیٹھے کام میں مصروف ہیں اور ادھر آپ کی بیوی دوسرے کمرے میں مصروف ہے۔''

''یہ کیا بکواس ہے۔ کون ہیں آپ......؟''

''میں صبح کا ستارہ ہوں۔ آپ زیادہ غصہ نہ کریں۔ میری بات تسلی سے سن لیں۔ ہیلو...... ہیلو۔'' نادر ابھی بات کر رہا تھا کہ ادھر سے ناصر نے بات کاٹ دی۔ نادر نے دوبارہ اس کو رنگ کیا۔

''جی......'' ناصر کی آواز آئی۔

''ناصر صاحب! شاید آپ میری بات کو مذاق سمجھ رہے ہیں۔ اگر کوئی شک ہے تو اپنے گھر آ کر تصدیق کر لیجیے۔''

اس دن ناصر نے جلدی جلدی اپنی فائلیں بند کیں۔ اور دفتر سے نکلنے لگا۔ تو ایم ڈی صاحب آ گئے۔ انہوں نے اسے بلوا لیا۔ ان سے بات کر کے نکلتے نکلتے اسے آدھ گھنٹہ لگ گیا۔ جب وہ گھر پہنچا تب تک کمال احمد جا چکا تھا۔

اور اس وقت فائزہ باتھ روم سے نہا کر نکلی تھی۔ اسے دیکھ کر وہ ایک لمحے کے لیے گھبرا گئی۔ اس نے بغور ناصر کا چہرہ دیکھا۔ وہاں کسی قسم کا شک موجود نہ تھا۔ اس نے اطمینان سے سانس لی۔ پھر بڑی فکرمندی سے بولی۔

''ناصر خیریت تو ہے تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔''

''ہاں۔ طبیعت بالکل ٹھیک ہے۔ فکر کی کوئی بات نہیں۔ صبح ایک فائل بھول گیا تھا وہ لینے آیا ہوں۔''

''چلو اب آ گئے ہو تو کھانا کھا کر جانا۔ کھانا تیار ہے۔ صرف دو روٹیاں ڈالنا ہیں۔''

''نہیں کھانا میں دفتر میں کھا لوں گا۔ فائل لے کر مجھے فوراً پہنچنا ہے۔ ایم ڈی صاحب میرے منتظر ہیں۔''

''پھر چائے بنا دوں؟''

''نہیں چائے کا موڈ نہیں۔''

پھر اس نے الماری میں سے ایسے ہی ایک فائل نکالی اور گھر سے باہر نکل آیا۔

دفتر پہنچ کر وہ چین سے ابھی کرسی پر بیٹھا بھی نہ پایا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی ناصر نے ریسیور اٹھایا۔

''جی۔''

''ناصر صاحب!''

''جی میں بول رہا ہوں۔''

''کہیے۔ آپ گھر ہو آئے......؟''

''جی ہاں ہو آیا۔ وہاں تو کوئی نہ تھا۔''

''آپ نے وہاں پہنچنے میں دیر کی۔ تب تک وہ جا چکا تھا۔''

''آپ نے اسے جاتے ہوئے دیکھا تھا۔''

''جی ہاں۔ نہ صرف اسے جاتے ہوئے دیکھا تھا بلکہ آپ کو آتے ہوئے بھی دیکھا تھا۔ وہ سوا بارہ بجے گھر سے نکلا ہے اور آپ پونے ایک بجے گھر پہنچے ہیں۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔ ناصر

صاحب۔''

''بھئی آپ کون ہیں۔ اپنے بارے میں بتاتے کیوں نہیں.....؟''

''اس کا کوئی فائدہ نہیں' آپ فکر نہ کریں' وہ پھر آئے گا' میں پھر آپ کو ٹیلی فون پر مطلع کردوں گا۔ تب تک کے لیے خدا حافظ۔''

اس فون نے ناصر کی زندگی میں ہلچل مچا دی تھی' ابھی اس نے اپنی آنکھوں سے کچھ نہیں دیکھا تھا' وہ چاہتا تھا بھی نہیں تھا کہ اپنی آنکھوں سے دیکھے بغیر کوئی عملی قدم اٹھائے' اس نے اپنا رویہ بھی تبدیل نہیں کیا تھا.... اپنا رویہ تبدیل کرکے وہ اسے چونکانا نہیں چاہتا تھا۔

کوئی دو تین دن کے بعد ناصر کے پاس پھر فون آیا۔ صبح کا ستارہ کی آواز سن کر وہ چونک پڑا' اب وہ اس آواز کو پہچاننے لگا تھا۔

''ناصر صاحب آج آپ کی بیوی اس کے ساتھ فلم دیکھنے جا رہی ہے۔''

''کون سا شو.....؟''

''میٹنی شو۔ آج شاید آپ اپنی بیوی سے کہہ کر گئے تھے کہ دفتر میں بہت کام ہے' نو دس بجے آئیں گے۔''

''ہاں۔ یہ بات بالکل صحیح ہے۔''

''بس اس سے فائدہ اٹھا کر فلم دیکھنے کا پروگرام بن گیا۔ کیا آپ سینما ہال جانا پسند کریں گے.....؟''

''ہاں جاؤں گا۔''

''میرا مشورہ ہے کہ آپ شو ختم ہونے سے پہلے وہاں پہنچیں۔''

''کیوں' شو شروع ہونے سے پہلے کیوں نہیں.....؟''

''وہ دونوں اصل میں الگ الگ آئیں گے' جب سینما ہال میں اندھیرا ہو جائے گا' تب اندر داخل ہوں گے' اس طرح آپ انہیں اکٹھا نہ دیکھ سکیں گے' فلم ختم ہونے کے بعد وہ ساتھ نکلیں گے' وہ آپ کی بیوی کو گھر چھوڑنے ضرور آئے گا۔ اس کے بعد پھر اپنے گھر جائے گا۔''

''پھر میں سینما ہال جا کر کیا کروں' اپنے گھر میں بیٹھ کر کیوں نہ ان کا انتظار کروں' میں ایک نظر اس بندے کو دیکھنا چاہتا ہوں' وہ ہے کون؟ آپ نے اس کا نام بتایا تو ہے لیکن میں کمال احمد نام کے کسی آدمی سے واقف نہیں ہوں۔''

''ٹھیک ہے آپ پھر سینما ہال نہ جائیے' ان کا گھر بیٹھ کر انتظار کریں۔'' نادر نے اس کی رائے سے متفق ہوتے ہوئے ٹیلی فون بند کر دیا۔

ناصر شام کو ایم ڈی صاحب کے اٹھتے ہی خود بھی اٹھ گیا' اس نے بقیہ کام گھر کے لیے سمیٹ لیا' انکم ٹیکس کے کچھ گوشوارے آج ہی تیار کرنے تھے' کل گوشوارے جمع کرانے کی آخری تاریخ تھی' ناصر نے دفتر میں بنیادی کام تو کر لیا تھا' بس ان گوشواروں کو فائنل کرنا تھا۔

گھر پہنچ کر اس نے جیب سے فلیٹ کی چابی نکالی۔ دروازہ کھولتے ہوئے اس نے ادھر ادھر دیکھا' شاید وقت بھی ''صبح کا ستارہ'' نظر آجائے' مگر اسے کچھ نظر نہ آیا' وہ فائلیں بغل میں دبائے گھر میں داخل ہوا۔ اور دروازے کو اندر سے بولٹ کرنے کے بجائے تالا لگا دیا تاکہ فائزہ تالا کھول کر آسکے' اسے فوراً ہی ناصر کی موجودگی کا احساس نہ ہوا۔

کوئی آدھا گھنٹہ گزرنے کے بعد دروازے کے تالے میں چابی گھومنے کی آواز آئی' ایک لمحے کو ناصر کا دل اتنے زور سے دھڑکا کہ اسے بند ہوتا ہوا معلوم ہوا..... ناصر نے فوراً خود کو سنبھالنے کی کوشش کی۔

دروازے کے سامنے راہداری تھی اور راہداری کے اختتام پر ٹی وی لاؤنج' ناصر کرسی پر اس طرح بیٹھا تھا کہ دروازہ کھلتے ہی فوراً اس پر نظر پڑے۔ دروازہ کھول کر فائزہ بڑی خوشی خوشی اندر داخل ہوئی۔

[illegible] سے انتخاب

[illegible]

اردو کی ممتاز اہل قلم ظہیر کاشمیری کو کون نہیں جانتا [illegible] اچھے شاعر [illegible] کے ساتھ ساتھ خطابت کے فن میں بھی صاحب کمال [illegible] رکھتے ہیں۔ ٹی وی کے ڈرامے بھی ان کے قلم سے نکل چکے ہیں [illegible] ترقی پسند [illegible] ہیں۔ شکل و صورت کے اعتبار سے انقلاب فرانس کے زمانے کے [illegible] ثانی نہیں رکھتے۔ صحافت کے کوچہ گرد بھی رہے ہیں۔

ان سب خاصیتوں کے ساتھ امرتسر کی ثقافت کے چلتے پھرتے اشتہار [illegible] کر کشمیری بھی ہیں۔ پنجابی میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ [illegible]

بیڈن روڈ کی ایک گلی میں رہتے ہیں۔ ایک روز میں نے دیکھا [illegible] کھڑے ہیں اور خالص امرتسری مغلظات آسمان کی طرف اچھال رہے تھے۔ [illegible] دکان کے سامنے کھڑے تھے اور راہ چلتے لوگوں میں گھرے ہوئے [illegible] کے سارے حصار توڑ کر کلاشنکوف کی گولیوں کی طرح مسلسل [illegible]

اوپر چوتھی منزل کی چھت پر ایک پہلوان کھڑا تھا [illegible] گالیاں اوپر جا رہی تھیں۔ مقابلہ بڑا زوردار تھا اور نتائج خیز تھا۔ [illegible]

''آرام نال لنگھ جا اوئے طوطیا۔ نہیں تے ضائع ہو جائیں گا [illegible]''

(آرام سے چلا جا او طوطے ورنہ میرے ہاتھوں ضائع ہو جاؤ گے۔ [illegible])

''تم نیچے تو آؤ۔ پھر پتہ چلے گا کہ ضائع تم ہوتے ہو کہ میں۔''

لے فیر میں آن لگا ہے [illegible] ناکھلوتا رہویں۔'' ([illegible])

''توں آ کے تے ویکھ۔ میں تینوں لیانہ پا دتا تے۔'' ([illegible])

''او جا مینوں ترس آندا اے تیری نکی جئی جان تے [illegible]''

''ایہہ نج ورگا ڈھڈ لے کے کیویں تھلے آ دیں گا۔ [illegible] لے کر کیسے اترو گے۔ مجھے بھی تمہاری حالت پر ترس آ رہا ہے)

''میرا ناں سنیا ای کدی۔ میں آں شیدا پہلوان عرف شیدا [illegible] الویں پھانسی لوا ئیں گا۔'' (میرا نام سنا ہے کبھی۔ میں ہوں شیدا پہلوان عرف [illegible] تمہاری موت تو آئی ہے۔ مجھے یونہی پھانسی لگواؤ گے)

''آ دیں گا دی کہ گلاں ای کردا رہیں گا۔'' (آؤ گے بھی یا باتیں ہی بناتے رہو گے)۔

پہلوان نے آخری اعلان کیا کہ میں نیچے آ رہا ہوں۔ اب تم [illegible] والے کی کرسی پر بیٹھ گیا اور پاس سے ملائی والا گرم دودھ لے کر پینے لگا۔ [illegible] نیچے اترا اور ظہیر کاشمیری کے پاس آ کر اسے للکارا۔ ظہیر [illegible] مجبور کر کے چیلنج کیا۔ ''لے ہن گنڈ لے جیہڑا توں سب کنڈ مناں اے۔'' ([illegible])

ظہیر نے بڑی سادگی سے جواب دیا۔ ''جا یار لنگھ جا۔ ہن میرا او ای گل [illegible]'' ([illegible] نہیں رہا)

اندر ناصر کو بیٹھا دیکھ کر ایک لمحے کے لیے اس کی آنکھوں میں اندھیرا اتر آیا' لیکن اس نے خود کو فوراً سنبھال لیا اور دروازے کی طرف پلٹتے ہوئے بولی۔

''آؤ کمال احمد اندر آجاؤ' تم بڑے خوش قسمت ہو' تمہاری ناصر سے بھی ملاقات ہوجائے گی' وہ گھر میں موجود ہیں۔''

ناصر دونوں کو دیکھ کر کھڑا ہوگا' کمال احمد کو جھجکا جھجکا' فائزہ کے پیچھے آرہا تھا' ناصر نے اسے پہلے نہیں دیکھا تھا' وہ اس کے لیے بالکل اجنبی تھا۔

''ناصر تم کب آئے؟'' فائزہ نے فدا ہونے والے انداز میں پوچھا۔

''ابھی تھوڑی دیر ہوئی ہے......؟''

''اچھا'' وہ مسکرائی۔ ''کام جلدی ختم ہوگیا ہوگا۔''

''نہیں ساتھ لے آیا ہوں۔ ایم ڈی صاحب اٹھ گئے تو میں بھی بھاگ آیا' یہ کون ہیں؟'' ناصر نے بڑے سادگی سے پوچھا۔

''ناصر یہ کمال احمد صاحب ہیں' میرا کزن' حال ہی میں لندن سے آیا ہے' میں بازار گئی ہوئی تھی' کچھ شاپنگ کے لیے' یہ مجھے وہاں مل گیا' کہنے لگا چلو آپ کو چھوڑ دوں' اس کے پاس گاڑی ہے' میں نے کہا بھی کہ میں خود چلی جاؤں گی' ٹیکسی یا رکشہ لے لوں گی' مگر یہ نہیں مانا' پھر جب میں نے اسے بتایا کہ تم اس وقت گھر پر نہیں ہوتے تو یہ نیچے ہی سے واپس جارہا تھا' میں بڑی مشکل سے اسے اوپر لائی کہ چائے پی کر جانا' اچھا ہی ہوا جو میں اسے اوپر ہی لے آئی' تم سے بھی ملاقات ہوگئی۔'' بالآخر فائزہ خاموش ہوئی۔ ناصر نے اس کی بات بڑے صبر سے سنی اور پھر بولا۔

''ہاں تم نے بہت اچھا کیا' جو انہیں اپنے ساتھ لے آئیں۔ آیئے کمال احمد صاحب تشریف رکھیے۔''

''جی بہتر۔'' کمال احمد نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''وہ فلم کیسی تھی۔'' ناصر نے بڑے بھولپن سے کہا' فائزہ ناصر کا سوال سن کر چکرا گئی' لیکن ان چکروں سے اس نے اپنے چہرے پر کوئی احساس ظاہر نہ ہونے دیا' وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔ ''کون سی فلم ناصر۔''

''ارے صبح جو کیسٹ میں دے کر گیا تھا' کیا تم نے دن میں وہ فلم دیکھی نہیں۔'' ناصر نے وضاحت کی۔

''اچھا وہ فلم......'' فائزہ نے اطمینان کی سانس لی۔ ''ہاں' دیکھی کیوں نہیں' اچھی تھی' رات کو تمہارے پاس وقت ہو تو دیکھ لینا۔''

''بعض فلمیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کو وی سی آر پر دیکھ کر بالکل مزہ نہیں آتا' اصل میں سینما ہال میں فلم دیکھنے کا لطف ہی کچھ اور ہے۔'' اس دفعہ وہ کمال احمد سے مخاطب تھا۔ ''کیوں جناب! کیا خیال ہے آپ کا۔''

''آپ ٹھیک کہتے ہیں' بڑے اسکرین پر فلم دیکھ کر واقعی لطف آتا ہے۔'' کمال احمد نے اس سے آنکھیں چراتے ہوئے کہا۔

پھر فائزہ چائے بنانے کے لیے اٹھ گئی تھی' اس نے جلدی جلدی چائے بنائی' گھر میں جو کچھ موجود تھا' وہ سامنے رکھا اور شکر کرنے لگی۔ ناصر نے ان دونوں کو کسی شک وشبے کی نظر سے نہیں دیکھا۔

چائے پینے کے بعد کمال احمد اٹھنے لگا تو ناصر نے بڑے خلوص سے اسے کھانا کھا کر جانے کی دعوت دی' کمال احمد نے اتنے ہی خلوص سے معذرت کرلی اور پھر آئندہ آنے کو کہا۔

پھر دونوں کمال احمد کو دروازے تک چھوڑنے آئے۔

کمال احمد کے جانے کے بعد فائزہ نے

دروازہ بند کیا اور مسکراتی ہوئی پلٹی۔

''کیا پکاؤں؟''

''تم بازار گئی تھیں۔'' اس نے فائزہ کی بات جیسے سنی ہی نہیں۔ ''کیا لائیں ہو تم وہاں سے......؟''

''مجھے جوتا خریدنا تھا' ابھی دو تین دوکانیں دیکھ پائی تھی کہ یہ مل گیا' پھر اس کے ساتھ گھومنا مناسب نہ سمجھا۔ اس لیے واپس چلی آئی۔''

''کیوں......؟ اس میں نامناسب والی کیا بات تھی......؟''

''اب میں اسے جوتے کے لیے دکان لیے پھرتی......؟''

''ہاں' یہ بات تو ٹھیک ہے۔''

ناصر بڑے حساب کتاب کا آدمی تھا' پیشے کے اعتبار سے بھی وہ اکاؤنٹنٹ تھا' وہ خواہ مخواہ کسی شک میں مبتلا نہیں ہونا چاہتا تھا' ہوسکتا ہے واقعی کمال احمد اسے بازار میں ملا ہو' وہ اسے گھر تک چھوڑنے چلا آیا ہو' پھر وہ فون جھوٹا تھا؟ ہوسکتا ہے کسی نے مذاق کیا ہو' وہ بلاوجہ دونوں میں نفرت کی دیوار کھڑی کرنا چاہتا ہو۔ بہرحال جو بھی تھا اسے زیادہ عرصے چھپنا نہیں تھا۔ ناصر صبر سے کام لینا چاہتا تھا' ویسے بھی وہ ناصر تھا۔

رات کو جب وہ دفتر کے کام سے فارغ ہوا تو فائزہ جاگ رہی تھی' کوئی رسالہ پڑھ رہی تھی' اسے اٹھتے دیکھ کر اس نے بھی رسالہ ایک طرف پھینکا اور مسکرا کر بولی۔

''کام ختم......''

''جناب!'' ناصر نے خوش دلی سے کہا۔

چند لمحے وہ فائزہ کو بہت غور سے دیکھتا رہا' پھر بیڈ پر بیٹھ گیا اور بولا۔

''فائزہ ایک بات بتاؤ' یہ بیویاں اپنے شوہروں سے بے وفائی کیوں کرتی ہیں......؟''

''سب تو نہیں کرتیں۔'' فائزہ نے مسکرا کر کہا۔

''چلو سو میں سات ایک کرتی ہے' مگر وہ کیوں کرتی ہیں۔ اس بے وفائی کی آخر وجہ کیا ہوتی ہے؟''

''میں کیا جانوں......'' فائزہ ایک ادا سے بولی۔

''اچھا اگر تمہیں مجھ سے بے وفائی کرنے کا موقع ملے تو......'' ناصر نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

''ہائے کیسی باتیں کررہے ہیں۔'' فائزہ خفگی کا اظہار کرتے ہوئے بولی۔ ''مجھے آپ سے زیادہ کوئی عزیز نہیں' اگر آپ کے سامنے کوئی شہزادہ بھی آجائے تو میں اس پر تھوکوں بھی نہیں' خدا کے لیے آئندہ اس طرح کی بات مجھ سے مت کیجیے گا۔''

''اچھا ناراض مت ہو۔ میں تو ایسے ہی مذاق کررہا تھا۔'' ناصر نے لائٹ آف کرتے ہوئے کہا۔ ''چلو اب سوجاؤ' بہت رات ہوگئی ہے۔''

صبح دفتر پہنچتے ہی وہ گوشواروں کے چکر میں پھنس گیا' جلدی جلدی ٹائپ کروائے' پھر ایک نظر ایم ڈی کو دکھائے اور [illegible] بھجوادیے' گوشوارے بھجوا کر اس نے سکون کا سانس لیا۔

ابھی وہ اپنی کرسی پر نیم دراز سوچ رہا تھا کہ ابھی تک پنکی کا ستارہ کا ٹیلی فون کیوں نہیں آیا' آخر اسے یہ پوچھنا تو چاہیے تھا کہ کل کیا ہوا۔

ابھی وہ اس کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک ٹیلی فون کی گھنٹی بجی' ناصر نے ریسیور کان سے لگا کر کہا۔ ''جی ناصر۔''

''ہاں جی ناصر صاحب۔ کیا حال چال ہیں آپ کے......؟'' ادھر سے ناز سے پوچھا گیا۔

''بس میں آپ ہی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔'' ناصر نے پنکی کے ستارہ کی آواز پہچان

کر کہا۔ ''بہت دیر کر دی آپ نے ٹیلی فون کرنے میں؟''

''ہاں جی..... ایسا میں نے قصداً کیا...... خیر آپ سنائیں' کل آپ نے کمال احمد کو دیکھ لیا...؟''

''بھئی وہ لوگ بازار سے آرہے تھے...''

''ناصر صاحب... سیدھا ضرور ہونا چاہیے۔ لیکن بے وقوف ہونے کی حد تک نہیں۔ بہرحال وہ دونوں آپ کو بے وقوف بنا کر بہت خوش ہیں' کل آپ فائزہ کے پرس کی تلاشی لے لیتے تو اس میں سے سینما کے ٹکٹ برآمد ہو جاتے' جو اس نے صبح آپ کے نکلنے کے بعد جلائے۔''

''یہ سب آپ کو کیسے معلوم ہوا۔ بھئی اب تو مجھے آپ پر شبہ ہونے لگا ہے' آپ کن مقاصد کے تحت مجھے میری بیوی سے بدظن کر رہے ہیں... ؟'' ناصر نے اس سے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

''ناصر صاحب! یہ ٹھیک ہے کہ آپ کی بیوی جہیز میں ایک قیمتی فلیٹ اور بے شمار سامان ساتھ لائی ہے... لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ اپنی غیرت کا جنازہ اپنے کندھوں پر رکھ لیں۔''

''میں جذباتی آدمی نہیں ہوں میں اپنی آنکھیں کھلی رکھنے کا عادی ہوں۔ میں کسی سنی سنائی بات پر کوئی عملی قدم اٹھانے کے لیے تیار نہیں لیکن میں بے غیرت بھی نہیں' جس دن میں نے اپنی بیوی کو کسی غیر کے ساتھ ملوث دیکھ لیا۔ وہ ان دونوں کے لیے' ان کا آخری دن ہوگا۔'' ناصر نے بڑے اطمینان سے کہا۔ ''میرے پاس ریوالور موجود ہے۔ جس کا لائسنس مجھے میرے سسر نے دلوایا تھا۔''

''یہ ہوئی نامردوں والی بات' اب میں آپ کو بار بار فون نہیں کروں گا' پھر آپ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے...... پھر آپ اس منظر کو دیکھ کر کیا ایکشن لیتے ہیں' یہ بھی چھپا نہ رہے گا۔''

''چلو ٹھیک ہے۔ بات پکی۔'' ناصر مجبوراً لہجے میں بولا۔

''او کے جی' اللہ حافظ۔'' نادر نے یہ کہہ کر ٹیلی فون بند کر دیا۔

ناصر ریسیور ہاتھ میں پکڑے گہری سوچ میں ڈوب گیا' اس کا مطلب یہ ہے کہ معاملہ سنجیدہ ہے اور ٹیلی فون کرنے والا جو کوئی بھی ہے' اس کا ہمدرد ہے' یہ فائزہ کن راہوں پر چل پڑی ہے؟ اس نے اسے کیا دکھ دیا ہے کہ امانت میں خیانت کر رہی ہے' کیسی عیار عورت ہے' کہتی ہے کہ اگر آپ کے سامنے کوئی شہزادہ بھی آجائے تو میں اس پر تھوکوں بھی نہیں ہے۔ حد ہے کوئی منافقت کی! گھر میں جا کر وہ اس کا کس قدر خیال رکھتی ہے' ہر وقت اس کے لیے بچھی بچھی رہتی ہے' خیر' آدمی کو ایک حد تک بے وقوف بنایا جا سکتا ہے' ساری عمر کون بے وقوف بنتا ہے۔

ایسی باتیں بھلا کہاں چھپتی ہیں۔ ایسی باتوں کے پر ہوتے ہیں' وہ بند کمروں سے بھی' اڑ جاتی ہیں۔

شام کو وہ دفتر سے گھر پہنچا تو وہ بجھا بجھا سا تھا' گھر میں داخل ہوتے ہی اس نے اپنے چہرے پر مسکراہٹ سجالی۔ ادھر فائزہ نے بھی اسے دیکھتے ہی چہرے پر نقاب چڑھا لی' اسے دیکھ کر کھل اٹھی جیسے بڑی بے قراری سے اس کی آمد کی منتظر ہو۔

ناصر نہا دھو کر باتھ روم سے نکلا تو چائے تیار تھی' فائزہ نے ٹیلی وژن کھول دیا' نغموں کا پروگرام آرہا تھا' دونوں نے ٹی وی لاؤنج میں چائے پی۔

چائے پی کر ناصر نے کپڑے تبدیل کیے' کپڑے تبدیل کرتے دیکھ کر فائزہ نے پوچھا۔

ادب سے انتخاب

بخاری کی ناخلف اولاد

علامہ شریف جالندھری بڑے بذلہ سنج' حاضر جواب اور ذہین و فطین واقع ہوئے ہیں۔ خطابت' صحافت اور سیاست کے دشت کی سیاحی میں ان کی عمر گزر گئی ہے۔ راقم الحروف سے ان کے بہت دیرینہ روابط ہیں۔ ملک عزیز کی نامور سیاسی' سماجی اور تاریخی شخصیتوں کی صحبت سے فیض یاب ہوتے رہے ہیں۔ اسی لیے ان کا حلقہ احباب بہت وسیع ہے۔

ایک شام ان سے مال روڈ کی کیپٹل ریسٹورنٹ میں ملاقات ہوگئی۔ مختلف موضوعات پر گفتگو فرماتے رہے۔ نقد جدیدیت' کمیونزم' اسلام' ثقافت' تہذیب' تمدن' عمرانیات' لسانیات اور جانے کون کون سے موضوعات پر روشنی ڈال چکے تو بات سیاستدانوں تک جا پہنچی۔ پھر فن خطابت کا تذکرہ چھڑ گیا۔ خطیبوں کی بات چل نکلی تو ظاہر ہے نواب بہادر یار جنگ' ابوالکلام آزاد' مولانا ظفر علی خان اور سید عطاء اللہ شاہ کا نام آنا ضروری تھا۔ علامہ شریف جالندھری ان سب کے انداز میں تقریر کر کے سنا رہے تھے۔ انہوں نے سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا لب و لہجہ کچھ ایسے دہرایا کہ مرحوم شاہ جی آنکھوں کے سامنے آ گئے۔ ایک واقعہ انہوں نے سنایا۔

قیام پاکستان سے کچھ عرصہ پہلے کی بات ہے موچی دروازہ کے باغ میں مجلس احرار کا ایک بہت بڑا جلسہ ہو رہا تھا۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری اسٹیج پر تشریف لائے۔ ان کے لیے مائیک کے سامنے کرسی بچھا دی گئی تھی۔ شاہ صاحب بیٹھ کر تقریر کرنے لگے تھے۔ وہ کرسی پر بیٹھے۔ ایک نظر حاضرین جلسہ پر ڈالی۔ واسکٹ کی جیب سے چشمہ نکالا۔ رومال سے صاف کیا۔ چشمہ آنکھوں پر لگایا۔ حاضرین پر دوبارہ نگاہ ڈالی۔ لوگوں نے نعرے لگانا شروع کر دیے۔

امیر شریعت...... زندہ باد

امیر شریعت...... زندہ باد

امیر شریعت...... زندہ باد

شاہ جی نعرے سن کر جلال میں آ گئے اور لوگوں پر گرجنے برسنے لگے۔ انہوں نے تقریر شروع کی۔

''چپ ہو جاؤ۔ خاموش رہو۔ مت کہو مجھے امیر شریعت اگلے پھاڑ پھاڑ کر زندہ باد' زندہ باد کی چیخیں [illegible] لاہور والو! میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں لاہور والو۔

تم میری ناخلف اولاد ہو۔ تمہاری آوازوں سے فریب کا زہر ٹپکتا ہے۔ تمہاری زبانیں مکر کی شیرینی سے آلودہ ہیں۔ تمہاری آنکھیں محض بڑے بڑے جلسے اور جلوس دیکھنے کی شائق ہیں۔ تمہارے دل تمہارے وعدوں کا ساتھ چھوڑ گئے ہیں۔ تمہاری ساری زندگی میرے سامنے کتاب کی طرح کھلی ہے۔ دکھ نہ دو' میرے ہاتھ میں آئینہ ہے' آئینے کے قریب آؤ اور اپنے اصلی چہروں کو پہچان لو۔

تم ---- تقریر ..... بخاری کی سنتے ہو بیلچہ ---- مشرقی کا اٹھاتے ہو اور ---- ووٹ ---- مسلم لیگ کو دیتے ہو۔''

"کدھر۔۔۔؟"
"ایک دو فلموں کے کیسٹ لے آؤں۔۔۔"
"ہاں ٹھیک ہے' کل تو چھٹی ہے' رات کو اطمینان سے دیکھیں گے۔" فائزہ نے کہا اور پھر ایک دو فلموں کے نام بتائے۔

ویڈیو شاپ نزدیک ہی تھی' وہ دس پندرہ منٹ میں کیسٹ لے کر واپس آ گیا' ایک انگریزی فلم تھی' اور ایک بھارتی۔

کھانے سے فارغ ہو کر ناصر نے پہلے انگریزی فلم لگائی' یہ فلم ایک شادی شدہ عورت کی زندگی پر مبنی تھی' جو شوہر کی غیر موجودگی میں اپنے دوست سے ملتی ہے' اس کا شوہر بے حد شریف تھا' اس کا ہر طرح کا خیال رکھتا تھا' لیکن پھر بھی اس کی بیوی ناپسندیدہ حرکتوں سے باز نہیں آتی' ایک دن وہ ان دونوں کو رنگے ہاتھوں پکڑ لیتا ہے اور مشتعل ہو کر دونوں کو قتل کر دیتا ہے۔

فلم ختم ہوئی تو دونوں کچھ دیر سناٹے میں بیٹھے رہے' پھر فائزہ نے خود کو سنبھالا اور بڑے دو ٹوک لہجے میں بولی۔

"میں اگر اس فلم کی ہیرو کی جگہ ہوتی تو اس عورت کو قتل کرنے میں اتنی دیر نہ لگاتی' وہ خواہ مخواہ ڈھیل دیتا رہا۔"

یہ بات سن کر ناصر نے اسے چونک کر دیکھا۔ یہ عورت کس قدر عیار ہے۔ اپنے کمزور ہونے کا کہیں سے کوئی سراغ دینا نہیں چاہتی۔

"لیکن اگر میں اس ہیرو کی جگہ ہوتا تو بھی قتل جیسا اقدام نہ کرتا' بس اسے جا کر طلاق بھجوا دیتا۔" ناصر نے آخر اس کا سا انداز اختیار کیا۔ آخر وہ دل کی بات کیوں بتائے۔ وہ اگر اسے گمراہ کر رہی ہے تو اسے بھی گمراہ کرنا آتا ہے۔

فلموں سے فارغ ہو کر جب ناصر بیڈ پر لیٹنے لگا تو اس نے فائزہ سے کہا۔ "ذرا وہ ریوالور لانا۔"

"یہ رات کے ایک بجے آپ کو ریوالور کیسے یاد آ گیا۔"

"ذرا لاؤ۔۔۔ بہت دن سے میں نے اسے دیکھا نہیں' کہیں زنگ نہ لگ گیا ہو۔"

"اب دن میں دیکھ لیجیے گا۔"

"اچھا چھوڑو۔ میں خود لے آتا ہوں۔" ناصر اٹھنے لگا۔

"نہیں' یہ مطلب نہیں' میں لائے دیتی ہوں۔ آپ بیٹھیں۔"

ریوالور الماری کے سیف میں بند تھا فائزہ بہت تھوڑی دیر میں ریوالور لے کر آ گئی' ناصر نے اسے اپنے ہاتھ میں لے کر اس کا اچھی طرح معائنہ کیا پھر بولا۔

"صفائی کی ضرورت ہے۔ اسے اب صبح صفائی کروں گا۔"

یہ کہہ کر اس نے ریوالور تکیے کے نیچے رکھ لیا اور فائزہ کو لائٹ آف کرنے کا اشارہ کیا۔

فائزہ اس کی اس حرکت کے بارے میں کچھ اندازہ نہ لگا سکی کہ وہ ریوالور تکیے کے نیچے رکھ کر کیوں سو رہا ہے' صفائی کرنے کے لیے وہ الماری میں سے بھی نکال سکتا تھا' خیر' اس نے سوچا کہ اس مسئلے پر کوئی بحث نہیں کرنا چاہیے۔ یہ سوچ کر اس نے لائٹ آف کر دی اور وہ خاموشی سے بستر پر آ کر لیٹ گئی۔

صبح جب فائزہ کی آنکھ کھلی تو وہ خلاف معمول اس سے پہلے اٹھ چکا تھا' جبکہ وہ روزانہ اسے اٹھاتی تھی اور چھٹی کے دن تو وہ اسے اٹھا اٹھا کر تھک جاتی تھی۔

وہ ایک جھٹکے سے بستر سے اٹھی اور اپنا گاؤن سنبھالتی ہوئی بیڈ روم سے نکلی۔ ناصر ڈرائنگ روم میں بیٹھا بڑے انہماک سے ریوالور کی صفائی میں مصروف تھا۔ اس کے

چہرے پر بڑی سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔

فائزہ اپنے شانے پر بکھرے ہوئے بالوں کا جوڑا بناتی ہوئی صوفے پر بیٹھ گئی اور ہنستے ہوئے بولی۔

"آج تو آپ خود ہی اٹھ گئے۔"

"جاگنے کا وقت جو ہو گیا تھا۔" ناصر نے بڑی سادگی سے کہا۔

"وقت وقت کی بات ہے۔۔۔" ناصر نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اب سلائے بغیر نہیں سوؤں گا۔"

"اچھا یہ خوب تبدیلی ہے۔" فائزہ یہ کہہ کر ڈرائنگ روم سے نکل گئی۔

"ہاں واقعی یہ خوب تبدیلی ہے۔ انسان کو تبدیل ہونے میں کتنی دیر لگتی ہے۔" وہ سوچنے لگا۔

تبدیل تو وہ دونوں ہی ہو گئے تھے لیکن ایک دوسرے کو نظر نہیں آ رہے تھے' ناصر چوکنا ہو گیا تھا' جیسے جنگل میں کوئی شکاری کسی درندے کی دہاڑ سن کر چوکنا ہو جائے۔ وہ وقت بے وقت گھر کے چکر لگا لیتا' ایک دو مرتبہ اس نے اس کی الماری اور پرس کی تلاشی بھی لی لیکن کوئی قابل گرفت چیز برآمد نہیں ہو سکی۔

کوئی دس پندرہ دن بعد جب ناصر فائزہ کے بارے میں اپنی رائے تبدیل کرنے لگا تھا اور سوچنے لگا تھا کہ اس نے خواہ مخواہ فائزہ پر شک کر کے خود کو ہلاکت میں ڈالا' اس دس پندرہ دن کی نگرانی میں کوئی بات سامنے نہ آئی تو صبح کا ستارہ کا فون آ گیا۔

"دیکھیں ناصر صاحب' میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ اب آخری بار ٹیلی فون کروں گا اور آپ کو وہ منظر دکھا دوں گا جسے شاید آپ برداشت نہ کر سکیں' اچھا یہ بتائیں آپ نے ارشاد فارم دیکھا ہے۔۔۔؟"

"نہیں۔"

"خیر کوئی بات نہیں' آپ کا محرم کالونی اور میں جو پتا بتاؤں اسے احتیاط سے سمجھنے کے ساتھ لکھ بھی جائیں۔" یہ کہہ کر اس نے سلور اسٹار کا مکمل پتا اسے سمجھایا۔ پتا سمجھانے کے بعد وہ بولا۔

"یہ ایک بہت خوب صورت جگہ ہے یہاں لوگ پکنک کے لیے آتے ہیں' یہ جگہ کمال احمد کے ایک دوست کی ہے۔ یہاں پر آسائش کمرے بنے ہوئے ہیں' دن کے علاوہ رات کو بھی یہاں ٹھہرا جا سکتا ہے۔ یہاں پکنک پر آنے والے لوگ بہت محدود اور مخصوص ہیں' یہاں صرف وہی لوگ آ سکتے ہیں جو اس جگہ کے مالک کے دوست ہیں یا رشتہ دار' بہر حال تنہائی میں ملنے کے لیے یہ جگہ سکون کی ہے' کمال احمد اور فائزہ کل وہاں ہوں گے' گیارہ اور تین بجے کے درمیان' کھانا کھا کر وہ لوگ واپس آ جائیں گے اور آپ کے پہنچنے سے پہلے فائزہ گھر پہنچ چکی ہو گی' فائزہ آج سے کل اپنی امی کے ہاں جانے کا بہانہ کرے گی' میرا خیال ہے کہ اتنی معلومات ایک غیرت مند شوہر کے لیے کافی ہے' اب میں جا رہا ہوں۔" یہ کہہ کر صبح کا ستارہ نے ٹیلی فون بند کر دیا' وہ ہیلو ہی کہتا رہ گیا۔

"صبح کا ستارہ" کا ٹیلی فون ریسیو کرنے کے بعد اس نے ایک گہرا اور مطمئن سانس لیا' وہ کل سلور اسٹار پہنچنے کا منصوبہ بنانے لگا۔

ناصر دفتر جانے کے لیے گھر سے تقریباً پونے نو بجے نکلتا تھا' آج وہ بھی حسب معمول پونے نو بجے گھر سے نکلا۔ فائزہ روز کی طرح اسے دروازے پر چھوڑنے آئی۔ اور پھر بولی۔

"ناصر آج میرا امی کی طرف جانے کا ارادہ ہے' آپ کہیں تو چلی جاؤں' شام کو آپ کے گھر پہنچنے سے پہلے آ جاؤں گی۔"

"ٹھیک ہے چلی جاؤ۔" ناصر نے خوش دلی سے کہا۔ "جلدی آنے کی بھی ضرورت نہیں

ہے۔ شام کو میں ایک دوست کے یہاں جاؤں گا' آٹھ نو بجے تک آ جاؤں گا۔''

''نہیں میں زیادہ دیر نہیں رکوں گی' جلدی آ جاؤں گی' مجھے بس اپنا گھر اچھا لگتا ہے' لیکن یہ گھر آپ کے بغیر اچھا نہیں لگتا۔ آپ ذرا جلدی واپس آ جائیے گا۔'' فائزہ نے اسے بڑے پیار سے دیکھتے ہوئے کہا۔

ناصر کا جی چاہا کہ ابھی بریف کیس سے ریوالور نکال کر پانچ چھ گولیاں اس کے سینے میں پیوست کر دے۔ پھر پوچھے' اب بتا مجھے کون سا گھر اچھا لگتا ہے۔ مکاری کی بھی آخر کوئی حد ہوتی ہے۔

یہ بات وہ مسلسل سوچ رہا تھا' ابھی حساب کتاب کا وقت نہیں آیا تھا' اور وہ خالص حساب کتاب کا آدمی تھا۔

''اچھا ٹھیک ہے' میں جلدی آ جاؤں گا۔ تمہارے بغیر تو میں بھی تنہا ہوں۔''

''سچ۔'' فائزہ نے خوش ہو کر کہا۔

''ہاں بالکل سچ۔'' ناصر نے جھوٹ سچ کی طرح بولا۔

ناصر کے جاتے ہی فائزہ نے فوراً دروازہ بند کیا اور گھڑی میں وقت دیکھا' کمال احمد کے آنے میں ابھی ڈیڑھ گھنٹہ باقی تھا' سلور اسٹار یہاں سے کوئی سترہ اٹھارہ کلومیٹر کے فاصلے پر تھا' اس ہوٹل میں سوئمنگ پول بھی تھا' ایئر کنڈیشنڈ کمرے تھے' باہر کی فضا اگر جنت نظیر تھی تو اندر کا موسم بہت ہی دل پذیر۔

گھڑی دیکھ کر فائزہ نے باتھ روم کا رخ کیا۔ وہ گنگناتے ہوئے نہانے لگی' اسے معلوم نہیں تھا کہ اگلے دو تین گھنٹوں میں کیا ہونے والا ہے' کیسی گھڑی آ پہنچی ہے' برا وقت اور بری گھڑی بھی بتا کر تھوڑی ہی آتے ہیں۔

ٹھیک ساڑھے دس بجے وہ ایک ٹوکری اٹھائے نیچے پہنچی تو کمال احمد اس کا منتظر تھا۔ وہ چند لمحے پہلے وہاں پہنچا تھا۔

''تم وقت کے معاملے میں کتنے انگریز ہیں۔'' کمال احمد نے ہنستے ہوئے اس کے لیے کار کا دروازہ کھولا۔

''میرا خیال ہے کہ ہم وقت کے معاملے میں ہی نہیں' کچھ اور معاملات میں بھی خاصے انگریز واقع ہوئے ہیں۔'' فائزہ نے سیٹ پر بیٹھ کر اسے ترچھی نگاہوں سے دیکھا۔

''بھئی بہت اچھے۔ خوب کہا۔'' کمال احمد نے اس کی بات سمجھتے ہوئے تعریف کی۔

''آداب عرض۔'' فائزہ نے اسے ایک ادائے خاص سے سلام کیا۔

کمال احمد نے فائزہ کی لائی ہوئی ٹوکری پچھلی سیٹ پر رکھتے ہوئے' گاڑی اسٹارٹ کی۔

''کیا مال ہے اس میں؟''

''سب تمہاری پسند کی چیزیں ہیں۔'' فائزہ نے کہا۔

''تم بھی میری پسند کی چیز ہو کہ نہیں۔'' ناصر نے چھیڑا۔

''یہ تو تم بہتر جانتے ہو گے......؟'' فائزہ نے سڑک کی طرف دیکھتے ہوئے ناصر سے کہا۔

''ایک بات بتاؤ فائزہ' یہ ناصر تمہیں بالکل پسند نہیں ہے۔''

''مجھے اس پر ترس آتا ہے کمال احمد' وہ بہت سیدھا آدمی ہے' میں اسے جیسا کہہ دیتی ہوں' وہ یقین کر لیتا ہے۔''

''ہاں گدھوں کے سر پر سینگ تھوڑے ہی ہوتے ہیں۔'' کمال احمد نے مذاق اڑایا۔

''شاید وہ مجھ سے محبت کرنے لگا ہے۔'' فائزہ نے سنا ان سنا کر دیا۔

''تمہیں کیا پتا...... وہ کہاں کہاں جاتا ہے؟'' کمال احمد نے بدظن کرنے کی کوشش کی۔

''میں جانتی ہوں' وہ دفتر کے سوا کہیں نہیں جاتا' جب مرد ادھر ادھر جانے لگتا ہے تو بیویوں کو فوراً معلوم ہو جاتا ہے' یہ اور بات ہے کہ وہ خاموش رہیں۔''

''اس کا مطلب ہے کہ میں تم سے ملتا ہوں تو میری بیوی کو بھی اس کا پتا ہوگا۔'' کمال احمد نے ہنستے ہوئے کہا۔

''ہاں' ہونا تو چاہیے۔'' فائزہ نے بڑے یقین سے کہا۔

''اپنے' کیا فضول بات کر رہی ہو' اگر ایسی بات ہو تو پھر کوئی مرد اپنے مرکز سے نہ ہٹ جائے' وہ اگر دفتر سے باہر نہیں جاتا ہوگا تو دفتر میں ہی اس نے کوئی سلسلہ جوڑ رکھا ہوگا۔''

''ناصر کی دفتر میں کوئی لڑکی نہیں۔'' فائزہ نے بڑے وثوق سے کہا۔ ''اور نہ وہ ایسا ہے۔''

''یعنی ہم سا۔'' کمال نے ٹکڑا لگایا۔

''جی ہم سا......'' فائزہ نے جواب دیا۔

''کیا تم مجھ سے مل کر پچھتاتی ہو؟'' کمال احمد نے سگریٹ سلگایا۔

''پچھتاتی تو تمہارے ساتھ نہ جا رہی ہوتی۔'' فائزہ نے اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''لیکن اس کا مطلب ہرگز نہیں کہ ہم اس گناہ کا ثواب سمجھ لیں۔ میں بہت حقیقت پسند واقع ہوئی ہوں' میں گناہ کو بھی ثواب نہیں کہہ سکتی اور نہ میں رک سکتی ہوں---- اللہ جانے کیا حشر ہوگا ہم دونوں کا۔''

''ارے کیا بکواس شروع کر دی۔'' پھر کمال احمد نے غزلوں کا ایک کیسٹ لگا دیا اور آواز اچھی خاصی تیز کر دی' پھر وہ خاموشی سے کیسٹ سنتے رہے۔

گیارہ بجے تک وہ سلور اسٹار پہنچ گئے۔

چوکیدار گلزار کمال احمد کو اچھی طرح پہچانتا تھا' اس کو دیکھ کر اس نے گاڑی کا دروازہ کھول دیا' گاڑی سے ٹوکری نکال کر باہر رکھی اور پوچھا۔

''جی سر جی کیا لاؤں آپ کے لیے۔''

''نہیں شکریہ۔ ہم ابھی بیٹھ جاتے ہیں' پھر چائے وغیرہ کا آرڈر کریں گے۔'' کمال احمد نے کہا۔ ''کیوں فائزہ ٹھیک ہے۔''

''ہاں اور کیا۔'' فائزہ نے جواب دیا۔

''اچھا ٹھیک ہے۔ جب آرڈر دینا ہو تو بتا دیجیے گا۔''

چوکیدار کے جانے کے بعد کمال احمد نے فائزہ سے کہا۔

''چلو ہم باہر ہوٹل کا چکر لگاتے ہیں اور پھر وہ دونوں باہر نکل کر گھومتے رہے۔'' باہر نکل کر فائزہ نے کہا۔

''ہائے کمال احمد' یہ کتنی خوب صورت جگہ ہے' ہائے تم مجھ کو پہلے کیوں نہیں لائے یہاں پر......؟''

''ابھی تم نے دیکھا ہی کیا ہے۔ گاڑی میں بیٹھ کر تو کوئی خاص چیز تمہیں نظر نہیں آئی ہوگی' یہاں پر ایک بہت خوب صورت تالاب ہے' جس میں بڑی خوب صورت مچھلیاں ہیں' یہاں ہوٹل میں ایک بہت حسین فوارہ بھی ہے۔ ایک خوب صورت پل ہے جس کے نیچے پانی بہتا ہے' خوب صورت پھول ہر جگہ موجود ہیں جو اس ہوٹل کو ایک خوب صورت لک دیتے ہیں' بہت کچھ ہے اس ہوٹل میں' کچھ لوگ ایک جنت آباد ہے یہاں پر---- اچھا اب ایسا کرتے ہیں کہ چائے کا آرڈر دے دیتے ہیں کیا خیال ہے۔'' کمال احمد نے کہا۔

''ہاں ٹھیک ہے۔'' فائزہ نے کہا۔

''آؤ میرے ساتھ۔'' کمال احمد نے کہا۔

اندر جا کر انہوں نے چائے آرڈر کی' اور اس کے بعد وہ ایک دوسرے سے اپنے دل کی باتیں کرنے لگے۔'' فائزہ نے کہا۔

''کتنا خوب صورت ہوٹل ہے' کمال احمد ایسی جگہ پر اپنا گھر ہونا چاہیے۔''

''تم ٹھیک کہتی ہو۔ میں سوچ رہا ہوں کہ

کبھی ایسی جگہ ملے تو وہاں اپنا گھر بناؤں' جہاں تم اور میں ہوں۔'' کمال احمد نے فائزہ کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

''خواب تو برا نہیں ہے۔'' فائزہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''فی الحال چائے آگئی ہے' چائے پی لیں۔''

''ہاں بالکل......'' کمال احمد نے کہا۔

''لیجئے جناب چائے۔'' اس نے پیالی کمال احمد کی طرف بڑھا دی۔

''اب اسے میٹھی بھی کر دو۔''

''شکر ڈال دی ہے میں نے۔''

''مجھے معلوم ہے' آپ ذرا اس میں سے ایک گھونٹ پی لیں۔''

''اپنی چائے کیوں جھوٹی کرواتے ہو....؟''

''جھوٹی نہیں ہوگی' بچی ہو جائے گی۔''

''کمال احمد کیا تم اپنی بیوی کی بھی جھوٹی چائے پی لیتے ہو......؟''

''توبہ کرو۔''

''کیوں......؟''

''اصل میں' یہ سب وہاں اچھا لگتا ہے جہاں پیار و محبت ہو' محبت ہو' محبت کے بغیر سب پھیکا ہے' بے رس ہے۔''

''تمہیں بہت محبت ہے مجھ سے .....؟''

''ہاں' یہ کوئی پوچھنے کی بات ہے''

''پھر میں طلاق مانگ لوں ناصر سے.....؟''

''وہ دے دے گا......؟''

''مانگ کر تو دیکھ لیتی ہوں' میرا خیال ہے کہ وہ انکار نہیں کرے گا.....؟''

''وہ پوچھے گا کہ آخر تمہیں کیا تکلیف ہے......؟''

''میں اسے صاف صاف بتا دوں گی۔''

''کیا بتا دو گی.....؟''

یہی کہ مجھے کمال احمد ہو گیا ہے۔''

''واہ بہت خوب' جی خوش کر دیا تم نے۔'' کمال احمد نے اس کے جملے سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔

''تم کیا کرو گے......؟''

''کیا تم سنجیدہ ہو......؟''

''سنجیدہ بھی ہو جاؤں تو اس سے کیا ہوگا! جب وقت تھا تب بہادری نہ دکھائی' اب تو صورت ہی کچھ اور ہے' کاش! ہم دونوں بزدل نہ ہوتے' میں سوچتی ہوں' اس طرح ہم کب تک ملیں گے' ہماری یہ ملاقاتیں کب تک راز رہیں گی' ایک نہ ایک دن یہ راز ضرور افشا ہو جائے گا' ہو سکتا ہے آج ہی ہو جائے یا ممکن ہے' دو چار ماہ لگ جائیں' ایسی صورت میں ہمارا کیا بنے گا؟ اس دن سے لرزتی ہوں۔''

''ارے دیکھا جائے گا' فکر مت کرو۔ اگر کوئی ایسی بات ہوئی تو میں تمہیں تنہا نہ چھوڑوں گا۔'' کمال احمد نے اسے یقین دلانے کی کوشش کی۔

''میں جانتی ہوں۔'' فائزہ نے یقین کر لیا۔ ''لیکن بدنامی سے ڈرتی ہوں' گھر والے کیا کہیں گے۔ دنیا کیا کہے گی۔''

فائزہ' جس بدنامی سے ڈر رہی تھی اور جس بری گھڑی کی آمد سے لرز رہی تھی وہ بری گھڑی سر پر آ پہنچی تھی' بدنامی کے دروازے کھل چکے تھے' لیکن وہ دونوں اس سے بے خبر اپنے آپ میں مگن تھے' پر فضا مقام اور پرسکون کمرے کی لذتوں سے بہرہ ور ہو رہے تھے۔

اور باہر انہیں موت تلاش کرتی پھر رہی تھی' انہیں کیا معلوم تھا کہ زندگی نے اب ساتھ چھوڑنے کی قسم کھالی ہے' اگر انہیں یہ معلوم ہوتا تو شاید زندگی کے ان باقی ماندہ لمحات میں توبہ کے در پر دستک دیتے' کیا پتا کہ توبہ ان پر اپنے دروازے کھول دیتی' لیکن اب کچھ ممکن نہ تھا اب

جو ممکن تھا' وہ ہوا چاہتا تھا۔

زندگی سے لمحہ بہ لمحہ رس نچوڑنے والے اس وقت چونکے جب دراز رسی کو ایک دم کھینچ لیا گیا۔

ناصر نے دروازے کو زور سے ٹکر ماری اور محبوب کی بانہوں کی طرح فوراً کھل گیا' ناصر کے ہاتھ میں ریوالور تھی' اس نے ان دو سانپوں کو لپٹے ہوئے دیکھا۔

اس منظر نے اس کی آنکھوں میں شعلے بھر دیئے۔ اس دھوکے' اس فریب نے اس کے تن بدن میں آگ لگا دی۔ اس کے دل پر جیسے کسی نے پے در پے وار کیے۔

جب اس کے ہاتھ میں دبا ریوالور شعلے اگلنے لگا' ان سانپوں کے سر کچلنے لگا' گولیوں کی بوچھاڑ نے دونوں کے بدن کو لہولہان کر دیا۔ زندگی ان سے روٹھ گئی اور بدنامی کے تمام دروازے بیک وقت کھل گئے۔

موت کا منظر' لہو میں ڈوبے ہوئے بدن اور ان کا تڑپنا کئی دن تک ناصر کی نگاہوں میں گھومتا رہا' اس خونی منظر نے اس کو جھنجوڑ کر رکھ دیا' وہ اس منظر کو جتنا بھلانا چاہتا' اتنا ہی وہ تر و تازہ ہو کر اس کے سامنے جاتا' پھر آہستہ آہستہ خون میں ڈوبی ہوئی ان لاشوں کا منظر اس کے لاشعور میں پیوست ہوتا چلا گیا۔

ان خون میں لتھڑی ہوئی نفرت انگیز لاشوں سے کسی کو دلچسپی نہ تھی' چاہے وہ کمال احمد کے والدین ہوں یا فائزہ کے گھر والے' ناصر ہو یا کمال احمد کی بیوی' کمال احمد کے دوست رفیق کو بھی جس کے ہوٹل پر ان دونوں کا قتل ہوا تھا' دلچسپی نہ تھی' جب مرنے والوں کو کسی سے ہمدردی نہ ہو' وہ ان کے کارنامے سن کر لرزتے ہوں تو پھر ایسے کیس میں پولیس کو کیا دلچسپی ہو سکتی ہے' ہماری پولیس تو ویسے بھی روایات کی ماری ہے' بس روایتی انداز میں تفتیش جاری رہی' اس اسکینڈل کو رفیق نے اپنے اثر و رسوخ سے کام لے کر اخبارات میں بھی نہ چھپنے دیا' اس طرح اخبارات اس اسکینڈل کو نہ چھاپ کر اپنی اشاعت بڑھانے سے محروم رہ گئے' مقتولین کی حسین و جمیل تصویریں چھپیں نہ سنسنی خیز رپورٹیں شائع ہوئیں' کچھ بھی نہ ہوا۔

اس حادثے نے ناصر کی زندگی کو بہت متاثر کیا تھا' وہ بجھ کر رہ گیا تھا' پہلے تو اسے پکڑے جانے کے خوف نے بوکھلا رکھا' پھر جب پولیس روایتی انداز میں اس کے سامنے سے گزر گئی تو اسے کچھ وقتی طور پر اطمینان نصیب ہوا۔

ناصر اس فلیٹ کو چھوڑ کر اپنے والدین کے پاس آ گیا۔ یہ فلیٹ فائزہ کو جہیز میں ملا تھا اسی کے نام تھا' ناصر نے اس گھر کو تالا لگا کر چابی فائزہ کے والد کے حوالے کر دی۔

''یہ اس گھر کی چابی ہے جو آپ نے اپنی بیٹی کو دیا تھا' میں نے وہاں سے اپنی چیزوں کے علاوہ کچھ نہیں اٹھایا ہے جیسا سجا سجایا گھر آپ نے دیا تھا' ویسا ہی آپ کو لوٹا رہا ہوں۔ یہ گھر اور سامان آپ نے جس کو دیا تھا' جب وہی نہ رہی تو میں اس گھر کا کیا کروں' میں اب اس گھر میں نہیں رہ سکتا' اس کے ساز و سامان کو استعمال نہیں کر سکتا' اس لیے یہ چابی آپ کے حوالے کر رہا ہوں' میں نے اپنی قسمت کے لکھے کو قبول کر لیا ہے' آپ بھی اپنی قسمت کے لکھے کو بھول جائیے۔''

یہ کہہ کر ناصر وہاں سے چلا آیا' فائزہ کے والد اپنی آنکھوں میں آنسو بھرے کتنی دیر تک اس چابی کو دیکھتے رہے اور اپنی قسمت کے لکھے کو روتے رہے۔

ناصر کا پھر اس شہر میں جی نہ لگا' اس نے باہر شہر کا رخ کیا' وہاں اسے بہت اچھی جاب مل گئی' وہاں بھی وہ بے چین رہا' بے کل رہا' وہ کبھی اس کا تجزیہ کرنے بیٹھتا تو کیا بکچھ سمجھ نہ آتا کہ وہ

پریشان کیوں ہے' بیٹھے بٹھائے اسے زندگی اجیرن کیوں معلوم ہوتی ہے' اس پر کرب کی سی کیفیت کیوں چھا جاتی ہے' وہ اداس کیوں ہو جاتا ہے...؟

وہاں جب کسی طور دل نہ لگا تو وہ اپنے وطن واپس آ گیا۔

یہاں اسے سائرہ مل گئی جس نے اس کی زندگی گل و گلزار بنا دی' وہ سب کچھ بھول گیا' اس نے ارادتاً سب کچھ بھلانے کی کوشش کی۔ بظاہر وہ بھول بھی گیا اور بھولنے کی اس شعوری کوشش نے اسے نفسیاتی مریض بنا دیا۔ وہ جس فریب نظر میں مبتلا تھا' اس کے ڈانڈے خون سے لتھڑی ہوئی لاشوں سے ملتے تھے' وہ ایک کا نہیں' دو انسانوں کا قاتل تھا' ضمیر کی خلش اسے بے چین رکھتی تھی' وہ ایک عذاب میں مبتلا تھا' وہ جانتا تھا کہ اسے فون دیکھ کر کیوں خوف آتا ہے' جہاں وہ نظریں جما دیتا ہے' وہاں اسے خون رستا کیوں دکھائی دیتا ہے' لیکن وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا' وہ کسی کو اپنے قاتل ہونے کا پتا نہیں سکتا تھا۔

اسی اظہار کی بندش نے اسے اندھے کنویں میں پھینک دیا تھا' وہ لحہ بہ لحہ مر رہا تھا' خود کو مرتا ہوا دیکھ کر کتنا بے بس تھا وہ......

ادھر نادر نے اسے فون کر کے ایک عذاب میں مبتلا کر دیا تھا اگرچہ اس نے نادر سے بڑے اکڑ کر بات کی تھی لیکن وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اکڑ کتنی کھوکھلی ہے' صبح کا ستارہ کی گواہی اسے تختہ دار تک لے جا سکتی ہے۔

آخر وہ کیا چاہتا ہے؟ اسے بلیک میل کرتا؟ اس نے اسے ڈھونڈ لیا' نہ صرف ڈھونڈ لیا بلکہ اس کا ٹیلی فون نمبر بھی معلوم کر لیا۔

اس نے انتظار کرنے کو کہا۔ کیا وہ غصے میں آ کر پولیس کو مطلع کر دے گا یا پھر وہ بہ نفس نفیس اس سے ملنے آئے گا!؟ اسے دھمکانے کے لیے۔

شاید وہ جونک کی طرح اس سے چپٹ جانا چاہتا ہے۔

ایک جونک تو فریب نظر اور خوف کی صورت میں پہلے ہی اس سے چمٹی ہوئی ہے اب یہ نیا عذاب تو اس کی زندگی اجیرن کر کے رکھ دے گا۔

''پھر کیا کرے گا......؟''

اس سے پہلے کہ صبح کا ستارہ اسے گرفتار کروائے یا بلیک میل کر کے اس کی زندگی اجیرن کرے' اسے خود ہی پولیس اسٹیشن پہنچ جانا چاہیے۔ اس خوف میں مبتلا زندگی نے یوں بھی اسے کہیں کا نہ چھوڑ رکھا تھا۔

تب اس نے فیصلہ کر لیا اور فیصلہ ایسا تھا جو اسے آج نہیں تو کل کرنا پڑتا۔ اگر نہیں کرتا تو کروا دیا جاتا۔

سائرہ بڑی بے چینی سے ناصر کا انتظار کر رہی تھی۔

وہ ابھی تک گھر نہیں پہنچا تھا' وہ اگر گوشت لینے رک گیا تھا تو بھی اسے اب تک گھر پہنچ جانا چاہیے تھا' وہ نیچے بیکری سے جا کر اس کے دفتر ٹیلی فون کر آئی تھی' یہ دفتر کا وقت نہ تھا' اس نے احتیاطاً ٹیلی فون کیا تھا' شاید وہ کسی کام سے دفتر میں رک گیا ہو' وہاں گھنٹی بجتی رہی' ٹیلی فون اٹھانے والا کوئی نہ تھا۔

ابھی وہ اسی پریشانی میں گھوم رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ لفظ کیا کرے؟ اتنے میں گھنٹی بجی' شاید ناصر آ گئے' وہ بھاگ کر دروازے پر پہنچی' جھپٹ کر دروازہ کھولا۔ وہ ناصر سمجھ کر کچھ کہنے ہی والی تھی کہ لفظ اس کی زبان پر آ کر اٹک گئے۔

دروازے پر ناصر نہ تھا پولیس والا تھا۔

''جی فرمائیے۔'' سائرہ نے پوچھا......؟

''یہ ناصر صاحب کا گھر ہے جی؟''

''جی ہاں......''

''ناصر صاحب کہاں ہیں جی؟'' پولیس والا بولا۔

''مجھے نہیں معلوم' میں خود ان کے لیے پریشان ہو رہی ہوں...... نجانے ابھی تک آئے ہیں کہاں چلے گئے۔''

''انہوں نے کہاں جانا ہے جی' وہ تھانے میں بیٹھے ہیں۔ انکشاف ہوا......''

''تھانے میں بیٹھے ہیں۔'' سائرہ پہلے ہی کم پریشان تھی اور پریشان ہو گئی۔ ''لیکن کیوں؟''

''وہ قاتل ہیں جی۔ انہوں نے دو بندوں کو قتل کیا ہے' اچھا جی اب میں چلتا ہوں' میں صرف آپ کو اطلاع دینے آیا تھا' باقی کی معلومات آپ تھانے آ کر لیں۔ اچھا جی اسلام علیکم!'' یہ کہہ کر کانسٹیبل نے ایک لحہ بھی انتظار نہ کیا' اس نے پیچھے ہٹ کر بھی نہ دیکھا کہ اس انکشاف نے سائرہ پر کیا قیامت ڈھائی ہے۔

نادر نے ناصر کے دفتر کا ٹیلی فون نمبر ڈائل کیا اور بڑی بے قراری سے ادھر سے ریسیور اٹھائے جانے کا انتظار کرنے لگا۔

''ہاں جی کس سے بات کرنا ہے۔''

''ناصر صاحب سے......''

''آپ ہولڈ کریں۔'' آپریٹر نے نرمی سے کہا۔

چند لمحوں کے بعد کسی نے ریسیور اٹھایا۔

''ہیلو!''

لیکن یہ آواز ناصر کی نہ تھی۔

''مجھے ناصر صاحب سے بات کرنا تھی۔''

''وہ تو ابھی دفتر نہیں آئے' اور اب آئیں گے بھی نہیں۔'' ادھر سے بولنے والے کے لہجے میں تمسخر تھا۔

''کیا مطلب ـــــ'' نادر حیران ہوا۔

''مطلب یہ ہے کہ وہ حوالات میں ہیں' انہوں نے دو بندوں کو قتل کیا تھا۔ کل شام کو تھانے پہنچ کر خود ہی انہوں نے اقبال جرم کر لیا۔''

ادب سے انتخاب

خوش اخلاقی

جس طرح ریت میں قطرے جذب ہو جاتے ہیں اور ان کا احساس بھی باقی نہیں رہتا۔ اس طرح ہمارے چند جملے کسی کے دل میں نشتر بن کر اتر جاتے ہیں اس لیے جب بھی کسی سے بات کریں تو سوچ کر زبان سے الفاظ نکالیں۔ اس لیے جب بھی کسی سے بات کرو تو یہ سوچ کر زبان سے الفاظ نکالو کہ جس طرح پانی کے قطرے ریت سے نکالے نہیں جا سکتے اس طرح ایک دفعہ منہ سے نکلی ہوئی بات کا اثر بھی دل سے دوبارہ نہیں نکالا جا سکتا۔

باتیں کام کی

- بہت سے تصادمات اس لیے بھی ہوتے ہیں کہ ہم دوسروں سے حسن ظن گوارا نہیں کرتے۔
- زیادہ مشاغل ہوں تو آدمی خالی بیٹھ کر اپنے ساتھ وقت گزار کرے ..... دھند چھٹ جاتی ہے ..... نظر آنے لگتا ہے ..... فیصلے اپنے ہی ہوتے ہیں ..... آسان بھی۔
- بعض لوگ ..... کی روشنی کو نظر انداز کر کے ..... کے کانٹے چنتے رہتے ہیں ..... امید کے دیئے کو دیکھ کر سورج کی تلاش میں سرگرداں ہو جاتے ہیں حالانکہ سورج کی تپش جھلسا کر رکھ دیتی ہے۔

''اوہ......'' یہ سن کر نادر کو جھٹکا سا لگا۔ ''جی تو انہوں نے بڑے حماقت کی' ویسے آپ کون صاحب بول رہے ہیں ـــ؟''

''میں ناصر صاحب کا اسسٹنٹ ہوں۔''

''مجھے شیخ صاحب۔ کیا آپ میرا ایک پیغام ان تک پہنچا دیں گے ـــ؟''

"جی میں کوشش کروں گا۔ آپ فرمائیں
کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

"پہلے تو آپ میرا نام سن لیں، میرا نام ہے
صبح کا ستارہ۔"

"صبح کا ستارہ۔ یہ کیا مذاق ہے؟"

"مجرم شیخ صاحب! میں آپ سے جو کہہ رہا
ہوں اسے بغیر مداخلت کیے غور سے سن لیں، آپ
کی سمجھ میں کچھ نہیں آئے گا، لیکن وہ فوراً سمجھ
جائیں گے، ہاں تو میں صبح کا ستارہ ہوں، میرا
مقصد ناصر صاحب کو نقصان ہرگز نہیں پہنچانا تھا،
میں یہاں ایک ماہ سے تھا، بالکل اتفاق سے میں
نے ناصر صاحب کو اپنے برابر والی بلڈنگ میں
سے نکلتے دیکھا، پھر چوکیدار سے ان کے بارے
میں معلومات حاصل کیں، اس نے مجھے انکوائری
آفس سے ان کا فون نمبر لیکر دے دیا۔ میں یہاں
اپنے چچا کے پاس ٹھہرا ہوا تھا، نوکری کی تلاش
میں آیا تھا، مجھے ملازمت مل گئی ہے آج میں گھر
واپس جا رہا ہوں، اپنا سامان وغیرہ لے کر واپس
آؤں گا، اور اس وقت میں نے انہیں یہ بتانے
کے لیے ہی فون کیا تھا، کہ ناصر صاحب ایسی
احمقانہ حرکت کر بیٹھیں گے، مجھے اگر انہیں گرفتار
کرانا ہوتا تو اسی وقت کروا دیتا۔ میں ان کا
ہمدرد ہوں، بس جی، مجھے یہی کچھ کہنا تھا۔"

صبح ٹیلی فون پر ہونے والی گفتگو کی روداد
مجرم شیخ نے ناصر کے سامنے بیان کر دی۔ وہ
"صبح کا ستارہ" کا پیغام سن کر مسکرا دیا اور بڑے
یقین سے بولا۔

"نہیں مجرم میں نے کوئی حماقت نہیں کی بلکہ
اقبال جرم کر کے میں نے عقل مندی دکھائی
ہے۔ فرض شناسی کا ثبوت دیا ہے، صبح کا ستارہ
نے ٹھیک کہا ہے، وہ واقعی میرا ہمدرد ہے، تم نہیں
جانتے کہ جب میں نے تھانے میں اقبال جرم قبو
ل کیا، اس قتل کی واردات کی ایک ایک تفصیل
یہاں تھانے دار کو بتائی، تو مجھے کتنا سکون ملا، میں
اقبال جرم کر کے ایک دم ہلکا پھلکا ہو گیا ہوں، میں تتلی
بن کر فضا میں اڑنے لگا، پھر ایک فائدہ مجھے اور
ہوا، میری بیماری سے تو تم واقف ہو، میں کس
عذاب میں مبتلا تھا، رات کو یہاں دو قیدیوں میں
لڑائی ہوئی، اس کشمکش میں ایک کا سر دیوار سے
ٹکرایا اور پھٹ گیا، اس کے سر سے خون بہہ کر
کپڑوں پر آ گیا، اگر کوئی اور وقت ہوتا تو اس
خون کو دیکھ کر مجھے دورہ پڑ جاتا، لیکن اس وقت
ایسا نہیں ہوا۔ میں بڑے اطمینان سے اس خون کو
دیکھتا رہا، اب تم بتاؤ مجرم کہ میں نے اقبال جرم
کر کے اچھا کیا یا برا۔"

ناصر جب بھی سائرہ کا چہرہ دیکھتا تو اس کا
سر ندامت سے جھک جاتا اور آنکھیں بھیگ
جاتیں، اب بھی ایسا ہی ہوا، وہ سائرہ کو دیکھ کر
بڑی آزردگی سے بولا۔

"سائرہ مجھے معاف کر دینا۔ میں نے تم
سے حقیقت چھپائی۔"

"کوئی بات نہیں ناصر، میں خوش ہوں کہ تم
نے اقبال جرم کر لیا، اب تم فکر نہ کرو، میں تمہارا
کیس لڑوں گی، میں تمہیں بچاؤں گی، تم بنیادی
طور پر ایک اچھے اور سچے انسان ہو، بس حالات
نے تمہیں اچانک قاتل بنا دیا۔ قتل کرنے سے
پہلے تم ایک اچھے انسان تھے، قتل کرنے کے بعد
بھی تم ایک اچھے انسان رہے، تم نے پہلے ایک
عورت کی بے وفائی دیکھی۔ اب تم ایک عورت
کی وفاداری دیکھنا۔ میں تمہارا انتظار کروں گی
ناصر۔ جب تک تم باہر نہیں آؤ گے، تمہاری آس
میں جیوں گی، تمہاری ہو کر رہوں گی، تم فکر مت
کرنا۔"